تیسیرُ الهدایۃ

اُردو ترجمہ

کتاب النکاح

مِنَ الهدایة

قدیمی کتب خانہ

مُقابل آرام باغ۔ کراچی

تیسیر الهدایة

اُردُو ترجمہ

کتاب النکاح

مِنَ الهِدَایة

مترجم

مولانا محمد اشرف قریشی

ناشر

قدیمی کتب خانہ

مُقابل آرام باغ۔ کراچی

کتاب النکاح

فہرست مضامین

نکاح کا بیان

نکاح کے ارکان:

مسئلہ: علامہ قدوری[1] نے فرمایا: نکاح[2] ایسے دو لفظوں کے ایجاب[3] و قبول سے منعقد ہوتا ہے جنہیں صیغہ ماضی میں بیان کیا جائے۔ (اعتراض ہوا کہ ماضی کا صیغہ سابقہ کام کے موجود ہونے کی خبر دینے کے لئے آتا ہے، انشا یعنی

---

[1] نکاح کے لغوی معنی ملانا ہیں پھر اسے جماع اور شادی کرنے کے معنی میں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں نکاح سے یہی شادی کرنا مراد ہے۔ مصنف نکاح کی کچھ شرائط بیان کر رہے ہیں اور یہ شرائط صحیح نکاح منعقد ہونے کی ہیں۔ اگر نکاح باطل ہو مثلاً مسلمان عورت کا کافر مرد سے یا مسلمان مرد کا اپنی محرمہ سے وغیرہ تو یہ ایجاب و قبول سے منعقد نہیں ہوگا۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ایجاب قبول کرنے والے نکاح کا مفہوم اور ایجاب و قبول کے الفاظ کو سمجھتے ہوں۔

[2] کوئی معاملہ کرتے وقت جو کلام پہلے کیا جائے تو وہ ایجاب کہلاتا ہے، اردو میں اسے پیش کش بھی کہتے ہیں مثلاً میں نے تم سے نکاح کیا یا میں نے یہ چیز خریدی یا میں نے یہ چیز فروخت کی۔ دوسرا فریق اس کے جواب میں جو کلام کرتا ہے اسے قبول کہتے ہیں نیز رضامندی بھی کہتے ہیں۔ مثلاً میں نے قبول کیا وغیرہ۔ معاملہ کو عربی میں عقد اور معاملہ کرنے والے دونوں فریق کو عاقدین کہتے ہیں۔

فی الحال کسی چیز کے ثبوت کو بیان کرنے کے لئے نہیں آتا اور نکاح کو بھی فی الحال ثابت کیا جارہا ہے۔ اس لئے ماضی کے بجائے انشاء کا صیغہ استعمال کرنا چاہیئے۔ تو مصنف رح نے جواب دیا کہ) ماضی کا صیغہ اگرچہ لغت میں خبر دینے کے لئے مقرر کیا گیا ہے لیکن حاجت وضرورت کی وجہ سے اسے شرع میں انشاء کے لئے مقرر کرلیا گیا ہے (کیونکہ کوئی ایسا صیغہ نہیں ہے جو فی الحال ثبوت پر دلالت کرے، مضارع اگرچہ حال کے لئے بھی آتا ہے لیکن اس میں مستقبل کا بھی احتمال ہے۔ اس لئے ماضی کا صیغہ اختیار کیا)۔ ایسے دو لفظوں سے بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے جن میں سے ایک کو ماضی کے صیغہ اور دوسرے کو مستقبل کے صیغہ سے بیان کیا جائے مثلاً ایک شخص کسی سے) کہے کہ تو میری شادی کرادے اس نے کہا کہ میں نے تمہاری شادی (فلاں لڑکی سے) کرادی۔ اس لئے کہ یہ صیغہ (اگرچہ) نکاح کا وکیل بنانے کے لئے ہے (نکاح منعقد کرنے کا صیغہ نہیں ہے، لیکن اس کی وجہ سے وکیل نے نکاح منعقد کیا۔ اس لئے یہ مثال کے لئے صحیح ہے) اور نکاح میں ایک شخص نکاح کے دونوں فریق کی طرف سے وکالت کرسکتا ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ اسے (نکاح کی وکالت میں) بیان کریں گے (اس لئے یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے کہ یہاں ایک شخص دونوں کی طرف سے وکالت کررہا ہے جو کہ صحیح نہیں ہے)۔

الفاظ نکاح

مسئلہ: نکاح کا معاملہ لفظ نکاح، لفظ تزوّج یعنی شادی کرانا، ہبہ وہدیہ، مالک بنانا اور لفظ صدقہ سے طے ہوجاتا ہے۔ امام شافعی رح فرماتے ہیں کہ لفظ نکاح اور لفظ تزوّج کے علاوہ کسی

دوسرے لفظ سے طے نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح میں نہ تو حقیقت میں (مرد کو عورت کا) مالک بنانا ہے اور نہ لفظ نکاح سے مجازاً مالک بنانا کے معنی مراد لے سکتے ہیں کیونکہ لفظ زِواج کرنے کا مفہوم (دو چیزوں کو آپس میں مناسبت سے) جوڑنے اور لفظ نکاح کا مفہوم ملانے کے لئے ہے جبکہ مالک اور مملوک کے درمیان کوئی جوڑنا و ملانا نہیں ہوتا[1] ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ مالک بنانا پوری ذات کی ملکیت کے واسطہ سے جماع کے (شرعی) محل میں اس کی ملکیت حاصل کرنے کا سبب ہے جو کہ نکاح کے ذریعہ ثابت ہوتی ہے اور سبب بھی مجاز کا ایک واسطہ ہے (یعنی سبب بول کر مسبّب مراد لے سکتے ہیں۔ جیسے سورج بول کر روشنی مراد لینا۔ اس لئے لفظ مالک بنانا اور اس کے مثل دوسرے الفاظ سے نکاح و شادی مراد لے سکتے ہیں)۔

مسئلہ: نکاح لفظ بیع (فروخت) سے بھی منعقد ہوجاتا ہے۔ یہی صحیح ہے کیونکہ مجاز کا (سببیت کا) واسطہ موجود ہے۔

وہ الفاظ جن سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

صحیح روایت کے مطابق لفظ کرایہ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ کیونکہ (اگر باندی کرایہ پر لی تو) کرایہ کا معاملہ اس سے جماع کی ملکیت حاصل کرنے کا سبب نہیں ہے (اس لئے یہ مجازاً نکاح کا سبب

---

[1] کیونکہ دونوں میں مراتب کا فرق ہے اور مناسبت نہیں ہے۔ چنانچہ جب لفظ نکاح اور شادی سے مالک بنانا وغیرہ دوسرے معنی مجازاً بھی مراد نہیں لے سکتے تو لفظ مالک بنانا وغیرہ الفاظ سے لفظ نکاح و شادی کے معنی کس طرح مراد لے سکتے ہیں۔

نہیں بن سکتا)۔ اسی طرح لفظ مباح کرنا، حلال کر دینا اور اعارہ (یعنی بلاعوض فائدہ اٹھانے کے لئے دینا، ان الفاظ) سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ یہ الفاظ جماع کی ملکیت حاصل کرنے کے سبب نہیں ہیں[1])۔ لفظ وصیت سے بھی نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ کیونکہ وصیت موت کے بعد ملکیت کو واجب کرتی ہے (فی الحال واجب نہیں کرتی جبکہ نکاح میں فی الحال ملکیت ثابت ہوتی ہے)۔

شرائط نکاح

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا! مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر دو آزاد، عاقل، بالغ مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے، خواہ یہ گواہ عادل ہوں یا عادل نہ ہوں یا تہمت کی سزا یافتہ ہوں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ: جاننا چاہئے کہ نکاح کے باب میں گواہی شرط ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمان ہے کہ "کوئی نکاح منعقد نہیں ہوتا مگر گواہوں کی موجودگی میں"۔ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے کہ ان کے نزدیک (نکاح کے منعقد ہونے کے لئے) گواہی کے بجائے اعلان شرط ہے۔

شرائط گواہ

گواہوں کا آزاد ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ غلام خود بااختیار

---

[1] کوئی باندی کرایہ پر لی یا مالک نے کہا کہ یہ باندی میں نے تمہیں مباح کی یا تمہارے لئے حلال کی یا تمہیں اعارہ پر دی تو ان تمام صورتوں میں دوسرا شخص یعنی جس سے آقا نے یہ سب کچھ کہا یا کرایہ پر لینے والا اس باندی سے جماع نہیں کر سکتا۔

نہ ہونے کی وجہ سے اسے گواہی دینے کا اختیار نہیں ہے۔ عاقل و بالغ ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ عقل و بلوغت کے بغیر اختیار و سرپرستی حاصل نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کے نکاح میں گواہوں کا مسلمان ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کافر کو مسلمان پر گواہی دینے کا اختیار نہیں ہے (اس لئے کہ کافر مسلمان کا والی و سرپرست نہیں ہو سکتا)۔ دونوں گواہوں کا مرد ہونا ضروری نہیں ہے حتیٰ کہ ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (کہ ان کے نزدیک مرد ہونا ضروری ہے) گواہی کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ اس کا تفصیلی علم ہوگا۔ عادل ہونا بھی شرط نہیں ہے حتیٰ کہ ہمارے (یعنی احناف) نزدیک فاسق گواہوں کی موجودگی میں بھی نکاح منعقد ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک عادل ہونا ضروری ہے)۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ گواہی دینا ایک قابل عزت کام ہے حالانکہ فاسق قابل توہین ہے (اس لئے فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے تاکہ اسے عبرت حاصل ہو)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ فاسق سرپرست بن سکتا ہے (اور وہ خود صاحب اختیار ہے) اس لئے وہ گواہی بھی دے سکتا ہے۔ کیونکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اسے اپنی ذات پر اختیار و سرپرستی سے محروم نہیں کیا گیا تو دوسرے مسلمان پر سے بھی سرپرستی سے محروم نہیں کیا جائے گا، کیونکہ دوسرا مسلمان بھی اسی کی جنس و قسم سے ہے۔ نیز فاسق (حاکم بن کر کسی کو) قاضی بنا سکتا ہے تو خود بھی قاضی بن سکتا ہے اور اسی طرح گواہ بھی بن سکتا ہے (کیونکہ قضاء و گواہی دونوں میں حکم نافذ کرنا ہوتا

ہے)۔ تہمت کے جرم کا سزا یافتہ بھی سرپرست بن سکتا ہے اس لئے گواہی اٹھانے (و گواہ بننے) کی اہلیت بھی اس میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جرم کی وجہ سے اس کے بارے میں جو ممانعت فرمائی ہے (کہ اور ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔ النور: ۴) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس سے (قاضی کے سامنے) گواہی کی ادائیگی فوت ہوئی ہے (یعنی وہ گواہی دے نہیں سکتا)۔ اور اس کے فوت ہونے کی وجہ سے گواہ بننے کے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا جیسے نکاح میں نابینا افراد گواہ بن جائیں یا نکاح کرنے والوں کے بیٹے گواہ بن جائیں (ان کی موجودگی میں نکاح صحیح ہو جائے گا حالانکہ نابینا شخص کسی کے حق میں اور بیٹا اپنے والدین کے حق میں گواہی نہیں دے سکتا)۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر مسلمان نے اسلامی ملک کے دو عیسائی یا یہودی گواہوں کی موجودگی میں اسلامی ملک کی کسی عیسائی یا یہودی لڑکی سے شادی کی تو امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے (اور نکاح صحیح ہو جائے گا) جبکہ امام محمدؒ و امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: نکاح میں ایجاب و قبول کا سننا ہی گواہی ہے اور کافر کی مسلمان پر کوئی گواہی مقبول نہیں ہے تو گویا ان گواہوں نے مسلمان کا کلام سنا ہی نہیں ہے (صرف عورت کا کلام سنا ہے)۔ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں گواہی کی شرط ملکیت ثابت کرنے کی وجہ سے ہے، کیونکہ یہ ملکیت عورت کے شرافت والے (اہم) مقام میں وارد (یعنی واقع) ہو رہی ہے، مہر واجب کرنے کی وجہ سے گواہی کی شرط نہیں ہے، کیونکہ

مال لازم ہونے میں کسی گواہی کی شرط نہیں ہے (بلکہ نکاح کے بعد خود مہر لازم ہو جائے گا۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ گواہی عورت پر ملکیت ثابت کرنے کی وجہ سے ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ) یہ دونوں کافر گواہ اس عورت پر (دوسرے آدمی کی ملکیت ثابت کرنے میں) گواہ ہیں۔ گواہ اگر شوہر کا کلام نہ سنیں تو اس کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ اس صورت میں نکاح منعقد نہیں ہو گا لیکن) اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ ان دونوں کے کلام سے منعقد ہوتا ہے اور عقد ہی کے لئے گواہی شرط ہے (اس لئے دونوں کا کلام سننا ضروری ہے)۔

مسئلہ: اگر کسی (مثلاً زید) نے دوسرے شخص (مثلاً خالد) کو حکم دیا (یعنی وکیل بنایا) کہ میری چھوٹی (نابالغہ) لڑکی کا نکاح کر دو، تو اس (وکیل) نے باپ کی موجودگی میں ایک اور شخص (مثلاً عزیز) کو گواہ بنا کر لڑکی کی شادی (مثلاً فرید) سے کر دی اور یہ (گواہ) باپ و وکیل کے علاوہ ہے تو یہ نکاح جائز ہو گا۔ (نکاح کے لئے مرد و عورت کے علاوہ دو گواہ یعنی کل چار افراد کا

---

[۱] اس مسئلہ کی وضاحت یہ ہے کہ کسی بھی معاملہ کے منعقد ہونے کے لئے گواہی شرط ہے اور معاملہ فریقین کے کلام سے منعقد ہو گا، اس لئے دونوں کا کلام سننا بھی ضروری ہے لیکن گواہی دونوں فریق پر نہیں ہوتی بلکہ کسی ایک فریق پر کوئی چیز ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ امام محمدؒ و زفرؒ کے نزدیک چونکہ نکاح میں گواہی شوہر پر مال لازم کرنے کے لئے ہے اور مذکورہ مسئلہ میں شوہر مسلمان اور گواہ کافر ہیں اس لئے وہ مسلمان پر گواہ نہیں ہوئے گویا انہوں نے مسلمان کا کلام (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے۔ اگر مرد یا عورت نہیں ہے تو ان کا قائم مقام وکیل ہونا چاہیئے۔ اس مسئلہ میں بھی اسی طرح ہے) اس لئے کہ (باپ کی طرف سے حکم دینے کی اور عقد نکاح کی) مجلس متحد ہونے کی وجہ سے باپ کو خود عقد نکاح کرانے والا بنا لیا جائے گا تو وہ (اپنی بیٹی کی طرف سے) وکیل سفیر اور (اس کے کلام کو) بیان کرنے والا ہوگا اور شادی کرانے والا (دوسرا شخص یعنی خالد) گواہ کی حیثیت سے باقی رہے گا (ان دو کے علاوہ ایک گواہ (یعنی عزیز) اور دولہا (یعنی فرید) بھی موجود ہے تو چار افراد ہونے کی وجہ سے نکاح صحیح ہو جائے گا)۔ اگر باپ (عقد نکاح کی) مجلس میں حاضر نہ ہو تو (اس مذکورہ صورت میں) نکاح صحیح نہیں ہوگا کیونکہ (باپ کے حکم دینے کی اور عقد نکاح کی) مجلس مختلف ہے۔ اس لئے باپ کو خود عقد نکاح منعقد کرانے والا نہیں بنایا جائے گا اور چار افراد نہ ہوتے کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں ہوگا)۔ اسی اصول کی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ باپ نے اپنی بالغ لڑکی کا

ہی نہیں سنا جبکہ امام ابوحنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک نکاح میں گواہی عورت پر ملکیت ثابت کرنے کے لئے ہے اور عورت کافر ہے اس لئے اس پر گواہی صحیح ہو گئی اور کافر مسلمان کا کلام سن سکتا ہے۔ ؎ مذکورہ صورت میں چار افراد ہیں ۱ باپ ۲ دوسرا شخص جسے باپ نے شادی کرانے کا حکم دیا ۳ گواہ ۴ شوہر۔ نکاح میں وکیل صرف سفیر اور مرد یا عورت کے کلام کو بیان کرنے والا ہوتا ہے۔ نکاح کے حقوق و فرائض موکل پر ثابت ہوتے ہیں وکیل پر ثابت نہیں ہوتے۔

نکاح ایک گواہ کی موجودگی میں کیا، تو اگر لڑکی بھی اسی مجلس میں موجود ہے
تب نکاح جائز وصحیح ہے (کیونکہ باپ اور ایک گواہ مل کر دو گواہ ہو جائیں
گے)۔ اگر لڑکی اسی مجلس میں حاضر نہیں ہے تو یہ نکاح جائز و منعقد نہیں
ہوگا (کیونکہ باپ اس صورت میں لڑکی کی طرف سے وکیل ہوگا گواہ نہیں
ہوگا تو صرف ایک گواہ کی وجہ سے نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اگر اسی صورت میں
ایک اور شخص آجائے تو وہ گواہ ہو جائے گا اور نکاح صحیح ہو جائے گا۔ آج کل عام
طور پر اسی طرح ہوتا ہے)۔

فصل فی بیان المحرمات

ان عورتوں کا بیان جن سے نکاح کرنا حرام ہے

مسئلہ: علامہ قدوری نے فرمایا: کسی بھی آدمی کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی والدہ سے یا دادی سے یا نانی سے نکاح کرے۔ مصنف نے فرمایا: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان[1] ہے کہ "تم پر (نکاح کے لئے) تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں حرام کی گئی ہیں" (النساء: ۲۳)۔ دادی و نانی بھی ماں کے حکم میں ہے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (النساء: ۲۳)

تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اس لئے کہ لغت میں ماںؔ اصل کو کہتے ہیں (اور دادی و نانی بھی انسان کی اصل ہوتی ہیں) یا (اگر قرآن کی نص سے) دادی و نانی کا (نکاح کے لئے) حرام ہونا (ثابت نہیں ہے تو) اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اپنی بیٹی سے نکاح کرنا بھی حلال نہیں ہے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی دلیل وہی قرآن کی آیت ہے جو ہم نے تلاوت کی۔ اپنی اولاد کی لڑکی (یعنی پوتی و نواسی) سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے اگرچہ (پوتی و نواسی) نیچے درجے میں ہو (یعنی پڑپوتی و نواسی سکڑپوتی و نواسی وغیرہ)۔ کیونکہ ان کی حرمت پر صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے۔ اپنی بہن اور اپنی بہن کی بیٹیوں اور اپنے بھائی کی بیٹیوں اور اپنی پھوپھی اور اپنی خالہ سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا (نکاح کے لئے) حرام ہونا اس آیت میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ اس حکم میں سگی اور صرف ماں شریک اور صرف باپ شریک پھوپھی اور خالہ اور بہن بھائیوں کی بیٹیاں سب داخل ہیں۔ کیونکہ (پھوپھی، خالہ، بہن اور بھائی کا) نام ان سب قسموں

پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹی اور بہن کی بیٹی اور تمہاری رضاعی مائیں اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تم نے جماع کر لیا وہ تمہاری پرورش میں ہیں نکاح کے لئے حرام کی گئی ہیں۔ اور اگر تم نے بیویوں سے جماع نہیں کیا تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں حرج نہیں ہے اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو، یہ تم پر حرام کیا گیا ہے مگر جو کچھ تم نے گذشتہ زمانہ میں کر لیا (وہ معاف ہے) بیشک اللہ بہت بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔

کو شامل ہے[۱]۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اپنی بیوی جس سے جماع کیا ہو یا جماع نہ کیا ہو اس کی ماں (یعنی ساس، خوشدامن نکاح کے لئے) حلال نہیں ہے۔
مصنفؒ نے فرمایا: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اور تمہاری عورتوں (بیویوں) کی مائیں"۔ اس میں جماع کی قید نہیں ہے۔

مسئلہ: اپنی جس بیوی سے جماع کیا ہے اس کی بیٹی بھی (نکاح کے لئے) حلال نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن میں جماع کی قید ثابت ہے۔ (آیت میں پرورش کی قید بھی ہے۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ) یہ بیٹی خواہ اس آدمی کی پرورش میں ہو یا نہ ہو، کیونکہ پرورش کا ذکر عادت کے طور پر ہے (اس لئے کہ بیوی کی لڑکی کو بھی اپنی پرورش میں رکھنے کی عادت ہے) شرط کے لئے نہیں ہے۔ اسی وجہ سے (بیوی کی بیٹی سے نکاح) حلال ہونے کی صورت کے بیان میں صرف جماع کی نفی کی ہے (پرورش کی نفی نہیں کی جبکہ حرام ہونے کے بیان میں پرورش و جماع دونوں کا ذکر کیا تھا۔ اگر پرورش بھی شرط ہوتی تو حلال ہونے کی صورت میں اس کی بھی نفی ہوتی جس طرح جماع کی نفی ہے)۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اپنے باپ اور دادا ؤں کی بیوی (یعنی سوتیلی ماں اور دادی) سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ مصنفؒ فرماتے

---

[۱] یعنی والد کی صرف ماں شریک یا صرف باپ شریک بہن کو پھوپھی اور والدہ کی صرف ماں شریک یا صرف باپ شریک بہن کو خالہ۔ اور انسان اپنی والدہ کے لڑکے یا لڑکی کو جن کا والد دوسرا ہو یا اپنے والد کے لڑکے یا لڑکی کو جن کی والدہ دوسری ہو، بہن بھائی کہتا ہے۔ کسی دوسرے نام سے انہیں نہیں پکارتے۔

ہیں: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "جن عورتوں سے تمہارے باپ دادوں نے نکاح کیا ہے ان سے تم نکاح نہ کرو" (النساء: ۲۲) اپنے بیٹے اور اپنی اولاد (لڑکا و لڑکی) کے بیٹوں (یعنی پوتے و نواسے) کی بیوی (یعنی بہو) سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (تم پر نکاح کے لئے حرام ہیں)" آیت میں صلبی بیٹے کی قید لے پالک بیٹے کے بیان کو ساقط کرنے کے لئے ہے (یعنی لے پالک بیٹے کی بیوی، اسی طرح لے پالک اولاد کے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حلال ہے)۔ رضاعی بیٹے کی بیوی کو حلال کرنے کے لئے نہیں ہے (یعنی رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام ہے)۔ رضاعی ماں اور رضاعی بہن سے بھی نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور تمہاری رضاعی بہنیں (تم پر نکاح کے لئے حرام ہیں)۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ رضاعت سے ہر وہ عورت (نکاح کے لئے) حرام ہوگی جو نسب کے رشتہ سے حرام ہے۔

مسئلہ: دو بہنوں سے نکاح کرکے انہیں جمع نہ کرے اور نہ ہی دو باندی بہنوں کو اپنی ملکیت میں جماع کے لئے جمع کرے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور یہ کہ تم دو بہنوں کو جمع کرو (یہ حرام ہے)"۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے تو وہ اپنے پانی (یعنی منی) کو دو بہنوں کے رحم میں ہرگز جمع نہ کرے"۔ (ثابت ہوا کہ اصل نفی دو بہنوں سے حلال جماع کرنے میں ہے۔ آزاد عورت سے

نکاح کرکے اور باندی سے خرید کر جماع کرسکتا ہے۔ اس کے بعد یہ مسئلہ متفرع ہے کہ) اگر اپنی باندی جس سے جماع کرلیا تھا اس کی بہن سے نکاح کیا تو یہ نکاح کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ نکاح کا یہ معاملہ ایسے شخص سے صادر ہوا ہے جو کہ نکاح کرنے کا اہل ہے اور ایسی ذات سے نکاح متعلق ہوا ہے جو کہ اس کا محل ہے یعنی عورت۔ (اس لئے نکاح کا معاملہ تو جائز ہے لیکن) نکاح جائز ہونے کے بعد اب اپنی باندی سے جماع نہیں کرے گا اگرچہ اس نے اب تک (اس باندی کی بہن یعنی اپنی) منکوحہ بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ کیونکہ بیوی حکم میں ایسی ہی ہے کہ گویا اس سے شوہر نے جماع کرلیا ہے۔ (اس لئے) بیوی سے بھی اس وقت تک جماع نہ کرے جب تک (اس کی بہن یعنی) اپنی جماع کی ہوئی باندی کو کسی بھی طریقہ (مثلاً آزاد کرنا، ہدیہ دینا، فروخت کرنا اور مکاتب بنانا وغیرہ) سے اپنے اوپر (جماع کے لئے) حرام نہ کرلے کیونکہ دونوں بہنیں جماع میں بظاہر جمع ہو رہی ہیں۔ اور جب حرام کرلیا تو اس وقت بیوی سے جماع کرسکتا ہے کیونکہ اب جماع میں دونوں جمع نہیں ہو رہی ہیں۔ اگر باندی سے جماع نہیں کیا تھا اور اس کی بہن سے نکاح کیا تو منکوحہ (یعنی بیوی) سے (بغیر کسی تاخیر کے) جماع کرسکتا ہے کیونکہ دونوں بہنیں جماع میں (حقیقت و حکم دونوں اعتبار سے) جمع نہیں ہو رہی ہیں۔ اس لئے کہ باندی خریدنے کے بعد اس حکم میں نہیں ہوتی کہ آقا نے اس سے جماع کرلیا (کیونکہ اس سے دوسرے فوائد تجارت و خدمت وغیرہ بھی مقصود ہوتے ہیں جبکہ نکاح کرکے بیوی سے مقصود جماع و اولاد حاصل کرنا ہوتا ہے)۔

مسئلہ: اگر دو بہنوں سے دو مختلف عقد میں نکاح کیا اور اس کا علم نہیں ہے کہ پہلے کس سے نکاح ہوا ہے تو قاضی اس مرد اور دونوں بہنوں کے درمیان تفریق وجدائی کر دے گا۔ کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا نکاح یقیناً باطل ہے کسی ایک کو متعین نہیں کر سکتے (کہ اس کا نکاح صحیح ہے) کیونکہ کسی کو ترجیح حاصل نہیں ہے اور یہ بھی نہیں کر سکتے کہ ابہام کے ساتھ دونو کا نکاح نافذ کریں کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے (اس لئے کہ نکاح کا مقصد جماع وحصولِ اولاد حاصل نہیں ہوگا کیونکہ دونوں سے تو جماع نہیں کر سکتے) یا اس طرح فیصلہ کرنے میں نقصان ہے (کہ دونوں بہنیں اس مرد سے نکاح کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتیں اور نہ ہی دوسرے سے نکاح کر سکتی ہیں) اس لئے دونوں میں جدائی و تفریق کا فیصلہ متعین ہو گیا۔

مسئلہ: تفریق کے بعد (اگر کسی سے جماع نہیں کیا تو) دونوں نصف مہر میں شریک ہوں گیں ۔ اس لئے کہ ان دونوں میں سے پہلی کے لئے نصف مہر (نکاح کی وجہ سے) واجب ہو چکا (دوسری کا نکاح صحیح نہیں ہے اس لئے اس کے لئے واجب نہیں ہوا) لیکن پہلی منکوحہ کے بارے میں لاعلمی (کہ کس کا پہلے نکاح ہوا ہے، اس) کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اس لئے نصف مہر دونوں میں تقسیم ہوگا۔ بعض نے کہا کہ (نصف مہر میں شریک ہونے کے لئے) ضروری ہے کہ ہر ایک یہ دعویٰ کرے کہ وہ پہلی منکوحہ ہے (کیونکہ قاضی بغیر دعویٰ کسی کو کچھ نہیں دے سکتا اگرچہ وہ مستحق ہو) اور بعض نے کہا کہ دونوں باہم صلح کر لیں کیونکہ صحیح

حقدار معلوم نہیں ہے۔

مسئلہ: کسی عورت اور اس کی پھوپھی کو یا اس کی خالہ کو یا اس کے بھائی کی بیٹی (یعنی بھتیجی) کو یا اس کی بہن کی بیٹی (یعنی بھانجی) کو ایک ساتھ نکاح میں نہ رکھے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "کسی عورت اور اس کی پھوپھی یا عورت اور اس کی خالہ یا عورت اور اس کی بھتیجی یا عورت اور اس کی بھانجی سے نکاح نہ کیا جائے" (اعتراض ہوا کہ قرآن سے اس کا جواز و حِلّت معلوم ہوتی ہے تو حدیث سے قرآن کے حکم کو کس طرح خاص کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب دیا کہ) یہ حدیث درجۂ شہرت میں ہے اور اس جیسی حدیث سے قرآن کے حکم میں اضافہ کر کے اس کے حکم کو خاص کر سکتے ہیں۔

مسئلہ: ایسی دو عورتوں کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو اس کا دوسری عورت سے نکاح جائز نہ ہو (جیسے خالہ بھانجی کہ اگر خالہ مرد ہو تو اس کا بھانجی سے اور اگر بھانجی مرد ہو تو اس کا خالہ سے نکاح جائز نہیں ہے)۔ کیونکہ ان کو نکاح میں جمع کرنے کا انجام قطع رحمی (یعنی رشتہ داری کا ٹوٹنا) ہے (اس لئے کہ عموماً سوکنوں میں لڑائی ہوتی ہے اور یہ لڑائی ایک دوسرے کے رشتہ داروں تک پہنچتی ہے)۔ اور جو رشتہ داری (دو افراد کے درمیان) نکاح کو حرام کرنے والی ہے (جن کا ذکر محرّمات کے بیان میں ہوا کہ ان رشتہ داروں

سے نکاح حرام ہے وہ قطع رحمی ہی کی وجہ سے حرام ہے[1] اگر دو رشتہ داروں میں نکاح کی حرمت رضاعت کی وجہ سے ہے تو ایسے رشتہ داروں کو بھی نکاح میں جمع کرنا حرام ہے (یعنی دو رضاعی بہنوں یا رضاعی خالہ و بھانجی وغیرہ کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتے) اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے پہلے روایت کی (کہ جو نکاح نسب کی وجہ سے حرام ہے وہ رضاعت کی وجہ سے بھی حرام ہے)۔

مسئلہ: کسی عورت اور اس کے سابقہ شوہر کی بیٹی کو (جو اس عورت سے نہیں ہے) نکاح میں رکھنے میں کوئی حرج نہیں[2] ہے۔ کیونکہ ان دونوں عورتوں کے درمیان نہ کوئی رشتہ داری ہے اور نہ کوئی رضاعت۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ عورت کے سابقہ شوہر کی بیٹی کو اگر مرد فرض کریں تو اس کا اپنے باپ کی بیوی (یعنی اس عورت) سے نکاح جائز نہیں ہے (کیونکہ یہ عورت اس کی سوتیلی ماں ہے) ہم جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اگر باپ کی بیوی (یعنی اس عورت) کو مرد تصوّر کریں تو اس کا اس لڑکی سے

---

[1] اللہ تعالیٰ نے جن رشتہ داروں کے درمیان نکاح کو حرام قرار دیا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قطع رحمی ہوتی ہے کیونکہ عورت مرد کی تابع و ملکیت کے درجہ میں ہوتی ہے۔ اسی قطع رحمی کی وجہ سے ان دو رشتہ داروں کو اگر دونوں عورت ہوں تیسرے آدمی کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اس لئے کہ میاں بیوی میں فساد اور جھگڑے کی بہ نسبت دو سوکنوں میں زیادہ فساد اور جھگڑا ہوتا ہے۔

[2] مثلاً زید کی لڑکی فاطمہ ہے۔ زید نے بعد میں عائشہ سے شادی کی پھر زید کا انتقال ہو گیا تو کوئی دوسرا شخص فاطمہ و عائشہ دونوں کو اپنے نکاح جمع کر سکتا ہے۔

نکاح جائز ہے۔ (یعنی ایک جانب سے جائز نہیں اور دوسری جانب سے جائز ہے) حالانکہ شرط یہ ہے کہ دونوں جانب سے مرد تصور کیا جائے اور نکاح جائز نہ ہو۔

مسئلہ: اگر کسی نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس عورت کی ماں اور اس کی بیٹی اس شخص پر (نکاح کے لئے) حرام ہے۔ (اس حرمت کو دامادی کی حرمت کہتے ہیں جیسے بیوی کی ماں یعنی ساس اور داماد ہیں ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہے)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ زنا سے دامادی کی حرمت واجب ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ دامادی کی حرمت ایک نعمت ہے اس لئے نعمت کو گناہ کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ بچہ کے واسطہ سے جماع مرد و عورت کی جزئیت کا سبب بن جاتا ہے (یعنی دونوں ایک شخص کی طرح ہو جاتے ہیں) یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک یعنی ماں و باپ کی طرف بچہ پوری طرح منسوب[1] ہوتا ہے۔ عورت کے اصول یعنی ماں باپ اور فروع یعنی اولاد مرد کے اصول و فروع کی طرح ہو جاتے ہیں اسی طرح اس کے برعکس بھی ہوتا ہے (کہ مرد کے اصول و فروع عورت کے اصول و فروع کی طرح ہو جاتے ہیں اور میاں بیوی اپنے ساس سسر کو ماں باپ کہہ کر پکارتے ہیں)۔ (شوہر و بیوی جماع کے واسطہ سے ایک ذات اور ایک دوسرے

---

[1] یعنی ماں کہتی ہے کہ یہ پورا میرا بچہ ہے اور باپ بھی اسی طرح کہتا ہے کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ میرا آدھا بچہ ہے۔ ثابت ہوا کہ بچہ کی وجہ سے شوہر و بیوی ایک ذات کی طرح اور ایک دوسرے کا جز ہو گئے اور بچّے کا سبب جماع بنتا ہے۔ اس لئے اصل مدار جماع پر ہوا)۔

کا جزء ثابت ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ) اپنے جزء سے فائدہ اٹھانا حرام ہے مگر ضرورت کے موقع پر جائز ہے اور ضرورت کا موقع بیوی[1] ہے۔ (امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ گناہ کو نعمت کے حصول کا سبب نہیں بنانا چاہیئے۔ اس کا جواب دیا کہ) جماع دامادی کی حرمت کا ذریعہ بچہ کی وجہ سے بن رہا ہے زنا کی وجہ سے نہیں بن رہا ہے۔ (یعنی بچے کی ولادت کا سبب جماع ہے اس لئے حرمت کے ثبوت کے لئے جماع اصل و مدار ہے خواہ کیسی بھی حالت میں ہو)۔

مسئلہ : اگر کسی کو کوئی عورت شہوت سے چھولے تو اس پر اس عورت کی ماں اور بیٹی (نکاح کے لئے) حرام ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرام نہیں ہوگی۔ اسی اختلاف کے ساتھ یہ مسائل بھی ہیں کہ مرد عورت کو شہوت سے چھولے، مرد عورت کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھے یا عورت مرد کے آلۂ تناسل کی طرف شہوت سے دیکھے (تو امام شافعیؒ کے نزدیک دامادی کی حرمت ثابت نہیں ہوگی جبکہ ہمارے نزدیک ہو جائے گی)۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ دیکھنا اور چھونا جماع کرنے کے حکم و حیثیت میں نہیں ہیں۔ اسی بناء پر دیکھنے اور چھونے سے روزہ اور احرام

---

[1] یعنی بیوی بھی جزء بن گئی اس لئے اس سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے اور جماع حرام ہونا چاہیئے لیکن چونکہ ضرورت ہے ورنہ کافی حرج ہوگا کہ ہر بچہ کی ولادت کے بعد دوسری عورت سے نکاح کرنا پڑے گا اس لئے اس جزء یعنی بیوی سے فائدہ اٹھانا حلال ہے۔

فاسد نہیں ہوتا اور غسل بھی واجب نہیں ہوتا (حالانکہ جماع کرنے سے یہ تینوں حکم ثابت ہو جاتے ہیں) اس لئے دیکھنا اور چھونا جماع کے حکم میں شامل نہیں ہوں گے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ دیکھنا اور چھونا جماع کے دواعی اور اسباب ہیں۔ اس لئے احتیاط کے مقام پر یہ جماع کے قائم مقام ہوں گے۔

شہوت سے چھونا (یا دیکھنا) یہ ہے کہ آلۂ تناسل میں انتشار و حرکت پیدا ہو جائے اور اگر پہلے سے حرکت ہے تو مزید حرکت پیدا ہو جائے یہی روایت صحیح ہے۔ عورت کی شرمگاہ کی طرف دیکھنے میں (حکم ثابت ہونے کے لئے) داخلی و اندرونی شرمگاہ کی طرف دیکھنا معتبر ہے اور یہ اسی صورت میں ثابت ہو سکتا ہے کہ عورت سہارا لے کر (پاؤں کھڑے کر کے) بیٹھی ہوئی ہو۔ اگر شہوت سے چھوا (یا دیکھا) اور انزال ہو گیا تو بعض نے کہا کہ اس سے بھی حرمت ثابت ہو جائے گی۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اس سے ثابت نہیں ہو گی کیونکہ انزال کی وجہ سے یہ واضح ہو گیا کہ یہ (دیکھنا یا چھونا) جماع کا ذریعہ نہیں بنے گا۔ اگر کوئی شخص عورت سے پیچھے کے مقام میں جماع کرے تو اس کا حکم بھی یہی ہے (کہ اس سے دامادی کی حرمت ثابت نہیں ہو گی)۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی بیوی کو کوئی سی بھی طلاق بائن یا طلاق رجعی دی تو یہ شخص اپنی مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عدت طلاق بائن یا تین طلاق کی ہے تو (عدت ختم ہونے سے پہلے اس کی بہن سے) نکاح کرنا جائز

ہے۔ کیونکہ طلاق کے عمل کی وجہ سے نکاح پوری طرح ختم ہو گیا۔ اسی وجہ سے یہ حکم ہے کہ اگر کسی نے اپنی طلاق بائن دی ہوئی بیوی سے عدت میں جماع کیا اور اسے اس عمل کے حرام ہونے کا علم ہے تو اس پر حد زنا واجب ہوگی (ثابت ہوا کہ نکاح پوری طرح ختم ہو چکا)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ پہلی بہن (جو کہ اب مطلقہ ہے اس) کا عدت میں بھی نکاح قائم ہے۔ کیونکہ نکاح کے احکام مثلاً خرچہ، بغیر اجازت گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت اور عدت میں ولادت کے بعد نسب کا ثبوت وغیرہ باقی ہیں۔ طلاق (کے عمل کا جواب یہ ہے کہ اس) کا عمل مؤخر ہو گیا، اسی بناء پر نکاح کی قیود و احکام وغیرہ باقی ہیں۔ حد (کا جواب یہ ہے کہ) کتاب الطلاق کی عبارت کے اشارہ سے مفہوم یہ ہو رہا ہے کہ واجب نہیں ہے اور کتاب الحدود کے اشارہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ حد واجب ہے کیونکہ (طلاق کے بعد) حلال ہونے کے حق میں ملکیت ختم ہو چکی (اور نکاح کے بغیر حلال نہیں ہے) اس لئے (اگر جماع کیا تو) زنا ثابت ہوگا لیکن جو امور ہم نے ذکر کئے ہیں ان کے حق میں نکاح ختم نہیں ہوا۔ اس لئے اگر عدت میں مطلقہ بیوی کی بہن سے نکاح کیا تو دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے والا ہو جائے گا۔

مسئلہ: آقا اپنی باندی سے اور مالکن اپنے غلام سے شادی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ نکاح کی مشروعیت اس لئے ہوتی ہے کہ نکاح کرنے والوں (یعنی شوہر و بیوی) کے درمیان مشترکہ ثمرات و فوائد حاصل ہوں (کوئی ایک کسی کا مالکِ کل نہ ہو بلکہ ہر ایک دوسرے کا بعض اعتبار سے مالک ہو) جبکہ

کسی کا پوری طرح مملوک ہونا اسی کا مالک ہونے کے منافی ہے (یعنی ایک وقت میں ایک فرد دوسرے شخص کا پوری طرح مملوک و مالک نہیں بن سکتا) تو آقا و باندی کے نکاح میں شرکت کے ساتھ فوائد حاصل کرنے میں رکاوٹ ہو گی۔

مسئلہ: اہل کتاب یعنی عیسائی یا یہودی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اہل کتاب میں جو عورتیں محصنہ ہوں" (المائدہ : ۵) یعنی پاکیزہ ہوں (وہ حلال ہیں)۔ اس حکم میں کتابیہ آزاد یا باندی ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے (یعنی یہودی یا عیسائی عورت کسی کی باندی ہے تو اس سے بھی نکاح کر سکتے ہیں)۔ اسے ہم عنقریب انشاء اللہ تفصیل سے بیان کریں گے۔

مسئلہ: آتش پرست (مجوسی) عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ "ان کے ساتھ اہل کتاب والا معاملہ کرو مگر ان کی عورتوں سے نکاح کرنے اور ان کے ذبیحہ (کا گوشت) کھانے میں اہل کتاب والا معاملہ نہ کرو" (یعنی ان کی عورت سے نکاح اور ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے)۔

مسئلہ: بت پرست مشرک عورتوں سے بھی نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں" (البقرۃ : ۲۲۱)

مسئلہ: صابی عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے اگر وہ کسی آسمانی مذہب

پر یقین رکھتی ہوں اور آسمانی کتاب کا اقرار کرتی ہوں۔ کیونکہ وہ بھی اہل کتاب میں سے ہیں۔ اگر یہ صابی ستاروں کی پرستش کریں اور کسی آسمانی کتاب کی پیروی نہ کریں تو ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ مشرک ہیں۔ ان کے بارے میں منقول اختلاف ان کے مذہب کا حال مشتبہ وغیر واضح ہونے کی وجہ سے ہے (یعنی ان کے اہل کتاب ہونے و نہ ہونے میں یقین نہیں ہے) اس لئے ہر ایک فقیہ کے سامنے ان کا جو حال ظاہر ہوا اس کے مطابق (ان کے بارے میں) جواب دیا۔ ان کے ذبیحہ کے گوشت کا بھی یہی حال و حکم ہے (کہ اگر نکاح جائز تو ذبیحہ جائز اور اگر نکاح ناجائز تو ذبیحہ بھی ناجائز)۔

مسئلہ: مرد و عورت جب احرام باندھے ہوتے ہوں تو اس حالت میں ان کے لئے نکاح کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ لڑکی کا ولی اگر حالت احرام میں ہو اور وہ اپنی لڑکی کا نکاح کرائے (حالانکہ لڑکی حالت احرام میں نہیں ہے) تو اس میں بھی یہی اختلاف ہے (کہ امام شافعیؒ کے نزدیک ناجائز اور ہمارے نزدیک جائز ہے) امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ "حالت احرام میں کوئی شخص نہ نکاح کرے اور نہ نکاح کرائے"۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ سے حالت احرام میں نکاح کیا تھا"۔ امام شافعیؒ نے جو حدیث روایت کی ہے اس سے مراد جماع ہے (کہ حالت احرام میں کوئی شخص نہ جماع کرے اور نہ اس کا

ذریعہ بنے)۔

مسئلہ: مسلمان یا کتابی (یعنی عیسائی یا یہودی) باندی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آزاد مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کتابی باندی سے نکاح کرے۔ کیونکہ ان کے نزدیک باندی سے نکاح کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ باندی سے نکاح کرنے میں اپنے جزء یعنی اولاد کو غلامی کے لئے پیش کرنا ہے (کیونکہ باندی سے پیدا ہونے والا بچہ باندی کے مالک کا غلام ہوتا ہے خواہ اس کا باپ آزاد ہو) اور یہ ضرورت مسلمان باندی سے بھی پوری ہو سکتی ہے (اس لئے کتابی باندی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے) اور اسی وجہ سے انہوں نے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت کو باندی سے نکاح کرنے میں مانع قرار دیا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ باندی سے نکاح کا جواز مطلق ہے کیونکہ ان سے نکاح کے جواز کا تقاضا کرنے والی آیات مطلق ہیں (اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ عورتوں میں سے جو تمہیں پسند ہو ان سے نکاح کرو۔ النساء: ۳ اور فرمایا کہ ان مذکورہ محرمات کے علاوہ عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ النساء: ۲۴)۔ (امام شافعیؒ نے یہ جو فرمایا تھا کہ اس صورت میں اپنے جزء کو غلامی کے لئے پیش کرنا ہے اس کا جواب دیا کہ) باندی سے نکاح کرنے میں آزاد جزء حاصل کرنے سے رکنا ہے (یعنی آزاد بچہ پیدا نہیں ہوگا) آزاد کو غلام بنانا نہیں ہے۔ (آزادی و غلامی تو اس جزء کی صفت ہے) انسان کے لئے تو یہ جائز ہے کہ وہ (عزل کر کے) اصل جزء (یعنی اولاد) حاصل نہ

کرے، تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس چیز (کو تو حاصل کرے اور
اس) کی کوئی صفت حاصل نہ کرے۔

مسئلہ: آزاد عورت نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح نہ کرے۔
کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "آزاد عورت پر باندی
سے نکاح نہ کیا جائے۔" یہ حدیث مطلق و بلا کسی قید کے ہونے کی وجہ
سے امام شافعیؒ کی اس تجویز کے خلاف حجت ہے کہ غلام آزاد عورت
نکاح میں ہوتے ہوئے باندی سے نکاح کر سکتا ہے اور امام مالکؒ کی
اس تجویز کے خلاف حجت ہے کہ آزاد منکوحہ کی رضامندی سے باندی سے
نکاح کرنا جائز ہے (ان کے خلاف حجت اس لئے کہ حدیث میں آزاد و
غلام اور رضامندی وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے) نیز غلامی نعمت کے
آدھے ہونے میں اثر انداز ہے جیسا کہ ہم اسے تفصیل سے طلاق کے
باب میں انشاءاللہ بیان کریں گے، اس لئے شادی کا محل (یعنی عورت)
غلامی کی وجہ سے مرد کے تنہا ہونے کی حالت میں تو حلال ہو گی (یعنی کنوارا
شخص باندی سے نکاح کر سکتا ہے) لیکن آزادی و غلامی کے انضمام و
اتصال ہونے کی حالت میں یہ محل (نکاح کے لئے) حلال نہیں ہو گا۔

مسئلہ: باندی نکاح میں ہوتے ہوئے آزاد عورت سے نکاح کرنا
جائز ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "باندی پر آزاد
عورت سے نکاح کر سکتے ہیں۔" نیز آزاد عورت تمام حالات میں نکاح
کے لئے حلال ہے کیونکہ اس کے حق میں نعمت کو آدھا کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر آزاد عورت کی طلاق بائن کی عدت (کے زمانہ) میں باندی سے نکاح کر لیا تو یہ جائز نہیں ہے۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے کیونکہ یہ آزاد عورت پہ نکاح کرنا نہیں ہے (کیونکہ طلاق سے نکاح ختم ہو گیا) اور یہی چیز باندی (سے نکاح کی علت) کو حرام کرنے والی اور رکاوٹ تھی (جب علت نہیں پائی گئی تو حکم بھی نہیں لگے گا)۔ طلاق سے نکاح ختم ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کے لئے یہ قسم کھائی کہ وہ اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوتے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا (پھر اس نے طلاق بائن دے کر عدت میں دوسری عورت سے نکاح کر لیا) تو اس نکاح کی وجہ سے وہ اپنی قسم کو توڑنے والا نہیں ہوگا (معلوم ہوا کہ طلاق سے نکاح ختم ہو جاتا ہے)۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آزاد عورت کا نکاح کسی درجہ میں باقی ہے کیونکہ نکاح کے بعض احکام (مثلاً خرچہ و رہائش وغیرہ) باقی ہیں اس لئے ممانعت بطور احتیاط باقی رہے گی لیکن قسم کی حیثیت مختلف ہے، کیونکہ اس قسم کا مقصد یہ تھا کہ اس عورت (منکوحہ) کی باری میں کسی دوسری عورت کو داخل نہیں کرے گا (چونکہ طلاق کی وجہ سے اس عورت کی باری ختم ہو گئی اس لئے دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے)۔

مسئلہ: آزاد مرد چار عورتوں سے خواہ وہ آزاد ہوں یا باندی نکاح کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنا آدمی کے لئے جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "پس نکاح کرو ان عورتوں سے جو

تمہیں پسند ہوں دو دو، تین تین اور چار چار" (النساء: ۳) عدد کی صاف صاف وضاحت اس سے زیادہ عورتوں سے نکاح کرنے میں مانع و رکاوٹ ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف ایک باندی سے نکاح کرسکتا ہے کیونکہ ان کے نزدیک باندی سے نکاح کرنا ضرورت کے درجہ میں ہے (اور ضرورت ایک سے پوری ہوجاتی ہے)۔ ان کے خلاف حجت و دلیل وہ آیت ہے جو ہم نے تلاوت کی کیونکہ منکوحہ باندی بھی لفظ عورت کے مصداق میں داخل ہے جیسا کہ ظہار (کی آیت وَالَّذِیْنَ یُظٰھِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِھِمْ المجادلۃ: ۲ یہاں نساء یعنی عورت) میں بالاتفاق منکوحہ باندی بھی داخل ہے (اسی طرح اس نکاح کی آیت میں بھی باندی داخل ہوگی)۔

مسئلہ: غلام کے لئے دو عورتوں سے زیادہ سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ ان کے نزدیک غلام نکاح کے حق میں آزاد کے درجہ میں ہے یہاں تک کہ (یا ان کے نزدیک) غلام آقا کی اجازت کے بغیر بھی نکاح کرسکتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ غلامی نعمت کو آدھا کرنے والی ہے۔ اس لئے غلام صرف دو سے اور آزاد صرف چار سے نکاح کرسکتا ہے تاکہ آزادی کی شرافت و عظمت کا اظہار ہو۔

مسئلہ: اگر آزاد مرد نے چار منکوحہ عورتوں میں سے کسی ایک کو طلاق بائن دے دی تو وہ اس کی عدت ختم ہونے سے پہلے چوتھی سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے (کہ ان کے

نزدیک عدّت میں چوتھی عورت سے نکاح کر سکتے ہیں)۔ یہ (اختلاف مع دلائل) ایک بہن کی عدّت میں اس کی دوسری بہن سے نکاح کرنے کے مسئلہ (کے اختلاف و دلائل) کی نظیر ہے (کہ امام شافعیؒ کے نزدیک نکاح کر سکتے ہیں کیونکہ طلاق سے نکاح کامل طور پر ختم ہو جاتا ہے جب کہ احناف کے نزدیک کسی درجہ میں باقی رہتا ہے)۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے فرمایا: اگر ایسی حاملہ عورت سے نکاح کیا جس کا حمل زنا کی وجہ سے ہے تو یہ نکاح جائز ہے لیکن بچہ کی ولادت تک اس سے جماع نہ کرے۔ مصنّفؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ نکاح فاسد (یعنی باطل) ہے۔ اگر حمل کا نسب ثابت ہے (کہ عورت طلاق یا وفات کی عدّت میں ہے یا جنگ میں پکڑی گئی) تو اس حاملہ عورت سے (ولادت سے پہلے) نکاح کرنا بالاجماع باطل ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل میں حاملہ عورت سے نکاح کرنے کی ممانعت حمل کے احترام کی وجہ سے ہے اور زنا کا حمل بھی قابل احترام ہے، کیونکہ اس حمل کا تو اس فعل میں کوئی گناہ ہی نہیں ہے۔ اسی بناء پر اس حمل کو ساقط و ضائع کروانا جائز نہیں ہے۔ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ زنا سے یہ حاملہ عورت بھی قرآنی آیت (وَاُحِلَّ لَکُمْ مَا وَرَاءَ ذٰلِکُمْ النساء: ۲۴) کی وجہ سے ان عورتوں میں شامل ہے جن سے نکاح حلال ہے (اس لئے اس سے نکاح صحیح ہے)۔ نکاح کے بعد جماع کا حرام ہونا اس لئے ہے تاکہ اس کا پانی

(یعنی منی) دوسرے کی کھیتی (یعنی حمل) کو سیراب نہ کرے (حدیث میں اس کی ممانعت ہے)۔ جس حمل کا نسب ثابت ہو اس حاملہ عورت سے نکاح کی ممانعت صاحبِ ماء (یعنی صاحب حمل مرد) کے حق کی وجہ سے ہے جبکہ زانی کا کوئی احترام نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر حاملہ جنگی قیدی باندی سے نکاح کیا تو نکاح فاسد (یعنی باطل) ہے۔ کیونکہ اس کا نسب ثابت ہے۔ اگر آقا نے اپنی امّ ولد (یعنی وہ باندی جس سے آقا کا بچہ پیدا ہو چکا ہے، اس) کی دوسرے شخص سے شادی کرادی حالانکہ یہ امّ ولد اسی آقا سے حاملہ ہے تو یہ نکاح باطل ہے۔ کیونکہ یہ امّ ولد اپنے آقا کی فراش[1] ہے یہاں تک کہ امّ ولد کے بچہ کا نسب آقا سے دعویٰ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے، اگر یہ نکاح صحیح ہوگا تو دو فراش جمع ہو جائیں گے (جو کہ جائز نہیں ہے) مگر یہ کہ امّ ولد کا فراش ہونا تاکیدی (و یقینی) نہیں ہے یہاں تک کہ (اگر امّ ولد کے دوسرے بچہ کے نسب کی آقا نفی کر دے تو) اس کی نفی سے نسب کی نفی ہو جاتی ہے اور لعان بھی لازم نہیں ہوگا (جبکہ بیوی سے ہونے والے بچہ

---

[1] جس باندی سے اس کا آقا جماع کرلے اور پہلا بچہ ہو تو آقا کے دعوے کے بعد اس بچہ کا نسب آقا سے ثابت ہوگا اور یہ باندی امّ ولد و آقا کی فراش ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر دوسرا بچہ ہو تو آقا کے دعویٰ کے بغیر اس کا نسب ثابت ہو جاتا ہے جس طرح بیوی سے پہلے بچہ کا نسب شوہر کے دعویٰ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے اور بیوی شوہر کی فراش ہوتی ہے۔ فراش کا مطلب یہ ہے کہ عورت کا ایسا ہونا کہ اس سے ہونے والے بچہ کا نسب دعویٰ کے بغیر ثابت ہو۔

کے نسب کی اگر شوہر نفی کرے تو شوہر پر لعان لازم ہوتا ہے) تو امّ ولد کے فراش کے ضعف کی وجہ سے جب تک امّ ولد حاملہ نہ ہو نکاح کے باطل ہونے میں اس کے فراش کا اعتبار نہیں کریں گے (یعنی اگر امّ ولد حاملہ نہیں ہے تو اس کی شادی کرانا صحیح ہے)۔

مسئلہ: اگر کسی نے اپنی باندی سے جماع کیا پھر اس کی شادی کرادی، تو یہ نکاح جائز ہے۔ کیونکہ یہ باندی (اس وقت) اپنے آقا کی فراش نہیں ہے کیونکہ اگر اس سے بچہ پیدا ہو تو آقا سے اس کا نسب دعویٰ کے بغیر ثابت نہیں ہوگا (جبکہ فراش میں دعویٰ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جب فراش نہیں ہے تو نکاح کی وجہ سے دو فراش جمع نہیں ہوئے۔ اس لئے نکاح صحیح ہے) البتہ آقا کے ذمہ ہے کہ وہ باندی کا رحم صاف کروائے (یعنی اس کے حیض کا انتظار کرے اور ایک حیض کے بعد شادی کرائے) تاکہ آقا کا پانی محفوظ رہے۔ جب نکاح جائز ہے تو شوہر کے لئے اس کا رحم صاف کروانے (یعنی ایک حیض گزرنے) سے پہلے اس سے جماع کرنا جائز ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و ابویوسفؒ کے نزدیک ہے۔ لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ شوہر اس کا رحم صاف کروانے سے پہلے اس سے جماع کرے، کیونکہ یہ احتمال ہے کہ رحم آقا کے پانی (یعنی اولاد بننے) میں مشغول ہو۔ تو اس لئے پرہیز ضروری ہے جیسا کہ باندی کو خریدنے کا حکم ہے (کہ جب بھی باندی خریدے گا تو استبراء سے پہلے جماع نہیں کر سکتا)۔ امام ابوحنیفہؒ و ابویوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح جائز ہونے کا حکم

رحم فارغ ہونے کی نشانی نہے۔ اس لئے استبرار کا حکم نہ بطور استحسان اور نہ بطور وجوب کے کیا جائے گا لیکن خریدنے کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ رحم مشغول ہونے کے باوجود بھی باندی خریدنا جائز ہے (اس لئے استبراء ضروری ہے)۔

مسئلہ: اسی طرح اگر ایک عورت کو زنا کرتے ہوئے دیکھا پھر اس سے شادی کرلی تو شوہر اس کے استبراء سے پہلے اس سے جماع کرسکتا ہے۔ یہ حکم بھی شیخین کے نزدیک ہے۔ لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ شوہر استبراء سے پہلے اس سے جماع کرے۔ دلیل ہم نے ذکر کر دی ہے۔

مسئلہ: متعہ کا نکاح باطل ہے۔ متعہ یہ ہے کہ ایک شخص ایک عورت سے کہے کہ میں تجھ سے اتنی مدت تک اتنے مال کے بدلہ میں متعہ کرتا ہوں۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ جائز ہے[1] کیونکہ متعہ ابتداء اسلام میں مباح تھا تو ناسخ ظاہر ہونے تک باقی رہے گا (اور ناسخ ظاہر نہیں ہوا)۔ ہم جواب میں کہتے ہیں کہ اس کا منسوخ ہونا صحابہ کرامؓ کے اجماع سے ثابت ہے اور ابن عباسؓ (کا شروع میں اختلاف تھا لیکن پھر انہوں نے رجوع کرلیا اور ان) کا صحابہ کرامؓ کے قول کی طرف رجوع کرنا صحیح روایت سے ثابت ہے۔ اس لئے متعہ کے حرام ہونے پر اجماع قائم و ثابت ہوگیا (اور کسی صحابی کا اس میں اختلاف

---

[1] علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کی طرف اس کی نسبت غلط ہے۔ ان کے نزدیک بھی متعہ باطل ہے۔ روافض کے علاوہ کسی کے نزدیک بھی متعہ جائز نہیں ہے۔

نہیں ہے)۔

مسئلہ: میعادی نکاح باطل ہے۔ اس کی صورت یہ کہ ایک شخص کسی عورت سے دو گواہوں کی موجودگی میں (مثلاً) دس دن کے لئے نکاح کرے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں یہ نکاح صحیح ہے لیکن میعادی ہونے کے بجائے یہ ہمیشہ کے لئے لازم ہو جائے گا کیونکہ (میعاد کی شرط فاسد ہے اور) نکاح فاسد شرائط سے فاسد نہیں ہوتا (بلکہ شرط فاسد ہو جاتی ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ نکاح (نہیں ہے کیونکہ یہ) متعہ کے مفہوم کے ساتھ ہے اور عقد میں اس کے مفہوم (معنی کا اعتبار ہوتا ہے (ظاہری الفاظ کا اعتبار نہیں ہوتا یعنی گویا اس نے متعہ کا معاملہ کیا جو کہ حرام ہے اس لئے نکاح کے احکام جاری نہیں ہوں گے)۔ نکاح کی مدت طویل (آخر عمر تک) ہو یا قصیر، حکم میں کوئی فرق نہیں ہے (یعنی اگر موت تک کی مدت مقرر کر کے نکاح کیا تب بھی باطل ہے)۔ کیونکہ وقت مقرر کرنا ہی متعہ کو متعین کرتا ہے اور یہاں وقت کا تقرر ہے (اس لئے قلیل یا طویل مدت کا نکاح باطل ہے)۔

مسئلہ: اگر کسی نے ایک عقد میں دو عورتوں سے نکاح کیا حالانکہ ان دو میں سے ایک عورت ایسی ہے کہ جس سے اس کا نکاح حلال نہیں ہے، تو اس عورت کا نکاح صحیح ہو جائے گا جس کا اس مرد سے نکاح حلال ہے اور دوسری کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ نکاح کو باطل کرنے والی وجہ صرف ایک میں ہے (تو ایک ہی کا نکاح باطل ہوگا دوسری کے نکاح پر جو اسی عقد میں ہوا ہے کوئی فرق واقع نہیں ہوگا) جبکہ اگر فروخت میں غلام و

آزاد کو جمع کر کے فروخت کیا تو اس کا حکم مختلف ہے کہ دونوں کی بیع صحیح نہیں ہوگی)۔ کیونکہ بیع شرطِ فاسد سے فاسد ہو جاتی ہے اور عقد میں آزاد کو قبول کرنے کی شرط لگانا فاسد ہے (اس لئے بیع صحیح نہیں ہے جبکہ نکاح شرطِ فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔ اس لئے دونوں کے حکم میں فرق ہے)۔

نکاح ہونے کے بعد (دونوں عورتوں کا) مقررہ تمام مہر اس عورت کا ہوگا جس کا نکاح صحیح ہے۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں کے مہرِ مثل کے بقدر تقسیم کیا جائے گا (یعنی اگر دونوں کا مہر چار ہزار روپے ٹھہرا اور ہر ایک کا مہرِ مثل تین تین ہزار روپے ہے تو جس کا نکاح صحیح ہوا ہے اسے دو ہزار ملیں گے)۔ یہ امام محمدؒ کی مبسوط کا مسئلہ ہے۔

مسئلہ: اگر مرد کے خلاف کسی عورت نے دعویٰ کیا کہ اس مرد نے اس (یعنی مجھ) سے شادی کی ہے اور اس پر گواہ قائم کئے تو قاضی نے اس عورت کے بارے میں اس مرد کی بیوی ہونے کا فیصلہ کر دیا حالانکہ حقیقت میں مرد نے اس سے شادی نہیں کی تھی، تو عورت کے لئے گنجائش ہے کہ مرد کے ساتھ قیام کرے اور یہ کہ مرد کو اپنے سے جماع کرنے دے (یعنی جماع کی اجازت دے سکتی ہے)۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا یہی پہلا قول تھا۔ امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول جو کہ امام محمدؒ کا بھی قول ہے یہ ہے کہ مرد کے لئے اس عورت سے جماع کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ کیونکہ قاضی نے دلیل سمجھنے میں خطا کی ہے (یعنی جو

دلیل نہیں ہے اسے دلیل مان لیا) کیونکہ (عورت کے قائم کردہ) گواہ جھوٹے ہیں اور یہ خطا اس کے مشابہ ہو گئی کہ گواہوں نے کسی امر کی گواہی دی بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غلام یا کافر تھے (یعنی ان کی گواہی مقبول نہیں تھی تو اس صورت میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کو چاہیئے کہ فیصلہ پر عمل نہ کریں)۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی کے نزدیک گواہ سچے ہیں اور قاضی کے لئے یہی گواہ حجت و دلائل ہیں کیونکہ سچ کی حقیقت جاننے میں معذوری و دشواری ہے (اس لئے گواہ کا ظاہر حال ہی حجت ہونے کے لئے کافی ہے) کافر اور غلام کی (نظیر کا جواب یہ ہے کہ ان کی) حیثیت مختلف ہے۔ کیونکہ ان کی حقیقت کے بارے میں علم و واقف ہونا آسان ہے۔ اب جبکہ ثابت ہو گیا کہ فیصلہ دلیل پر مبنی ہوتا ہے اور باطنی طور پر اس فیصلہ کو نافذ کرنا بھی ممکن ہے اس طرح کہ اس سے پہلے نکاح کو تسلیم کر لیا جائے تو نزاع و جھگڑا ختم کرنے کے لئے اس فیصلہ کو (ظاہر و باطن دونوں میں) نافذ کیا جائے گا۔ لیکن ایسی چیزیں جن کی ملکیت کے سبب کو ظاہر میں بیان نہ کرے (مثلاً طعام کے بارے میں جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے) تو اس کی حیثیت مختلف ہے (کہ اگر قاضی نے مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا تو یہ ظاہر میں نافذ ہوگا باطن میں نافذ نہیں ہوگا یعنی اس پر عمل نہ کرے) کیونکہ ملکیت کے اسباب میں تزاحم ہے (یعنی بہت سے اسباب، ہدیہ، وراثت خرید وغیرہ ہو سکتے ہیں اور ہر ایک کا حکم مختلف ہے) تو (اس لئے کسی ایک سبب کو ترجیح دے کر فیصلہ کرنا) ممکن نہیں ہے (چنانچہ اگر مدعی کے حق میں فیصلہ ہو جائے تو اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے)۔ واللہ اعلم۔

باب فی الاولیاء والاکفاء

سرپرست اور ہم پلّہ کا بیان

مسئلہ: آزاد عاقلہ وبالغہ لڑکی کا نکاح اس کی رضامندی سے منعقد ہو جاتا ہے اگرچہ اس کے ولی (یعنی سرپرست) نے اس کا عقد نہ کرایا ہو خواہ لڑکی کنواری ہو یا شوہر رسیدہ۔ ظاہر الروایت میں یہ حکم امام ابوحنیفہؒ وابویوسفؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک یہ روایت بھی منقول ہے کہ ولی کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا اور امام محمدؒ کے نزدیک (ولی کی اجازت پر) موقوف منعقد ہوگا۔ امام مالکؒ وشافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کے بیان سے نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح سے اس کے مقاصد مراد ہوتے ہیں اور یہ معاملہ عورتوں کو سپرد کرنے سے خلل واقع ہوگا مگر امام محمدؒ (کچھ تخفیف کرکے) فرماتے ہیں کہ ولی کی اجازت سے یہ خلل دور ہو جائے گا (اور نکاح منعقد ہو جائے گا)۔ ولی کے بغیر نکاح جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکی نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور وہ اس تصرف کی اہل بھی ہے کیونکہ وہ عاقلہ اور (اچھے برے میں) تمیز کرنے والی ہے۔ اسی وجہ سے اسے مال میں تصرف کرنے اور مردوں میں سے شوہر کا انتخاب کرنے کا حق حاصل ہے (کہ جس کو پسند کرے اس سے شادی کرے) اگر اس نے انکار کر دیا تو نکاح نہیں ہوگا خواہ ولی اس

پر راضی ہو۔ معلوم ہوا کہ اصل اختیار لڑکی کو ہے اس کے سرپرست کو نہیں)
لیکن پھر بھی ولی یعنی سرپرست سے شادی کرانے (اور بیچ میں پڑنے) کا مطالبہ
اس لئے کیا جاتا ہے کہ لڑکی بے حیائی و بے شرمی کی طرف منسوب نہ ہو (کیونکہ
عرف عام میں اگر لڑکی خود شادی کا معاملہ طے کرے تو وہ بے حیا سمجھی جاتی ہے
اس لئے شریفوں کے ہاں لڑکی کے سرپرست یہ معاملہ طے کرتے ہیں لیکن وہ
لڑکی کی پسند وناپسند کے پابند ہوتے ہیں)۔ ظاہر الروایت کے مطابق لڑکی
ولی کے بغیر اپنے ہم پلّہ یا غیر ہم پلّہ میں شادی کرے اس حکم میں کوئی فرق نہیں
ہے (کہ نکاح منعقد ہو جائے گا) لیکن غیر ہم پلّہ سے شادی کرنے کی صورت
میں ولی اعتراض کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ
غیر ہم پلّہ میں ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے کیونکہ (منعقد کر کے اعتراض کا
حق دینے سے فائدہ حاصل نہیں ہوگا اس لئے کہ) بہت سے منعقد شدہ
نکاح رفع و فسخ نہیں ہوتے (اور خاندان کی بدنامی و جھگڑے کا باعث
بنتے ہیں)۔ امام محمدؒ کا ان دونوں ائمہ کے قول کی طرف رجوع مروی ہے۔
مسئلہ: ولی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کنواری بالغ لڑکی کو نکاح کے
لئے مجبور کرے۔ امام شافعیؒ نے کنواری کو نابالغ پر قیاس کر کے اس مسئلہ
میں اختلاف کیا ہے۔ یہ اس لئے کہ کنواری لڑکی تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے
نکاح کے معاملات سے ناواقف ہوتی ہے (جیسا کہ نابالغ لڑکی ناواقف
ہوتی ہے) اسی وجہ سے اس کنواری بالغہ کے مہر پر اس کا باپ اس کی اجازت
(وحکم) کے بغیر قبضہ کر سکتا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ لڑکی آزاد ہے تو کسی

دوسرے کو اس پر جبر و زبردستی کرنے کا اختیار نہیں ہے جبکہ نابالغہ پر زبردستی کا اختیار اس کی عقل و فہم کی کمی کی وجہ سے ہے اور عقل بالغ ہونے سے کامل ہو گئی اس کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کے احکام اس کی طرف متوجہ اور اس سے متعلق ہو گئے۔ اس لئے بالغ لڑکی کی حیثیت (آزاد و صاحب اختیار ہونے میں) لڑکے کی طرح اور مال میں تصرف کے اختیار کی طرح ہو گئی (یعنی جس طرح لڑکے کو ولی کے بغیر نکاح کرنے کا اختیار ہے اور جیسے بالغ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر مال خرچ و استعمال کر سکتی ہے اسی طرح نکاح بھی کر سکتی ہے) امام شافعیؒ کی نظیر کا جواب یہ ہے کہ باپ لڑکی کے مہر پر قبضہ اس کی مرضی کے اشارے سے کر سکتا ہے اسی بناء پر اگر لڑکی نے قبضہ کرنے سے منع کر دیا تو باپ مہر پر قبضہ نہیں کر سکتا (معلوم ہوا کہ قبضہ کرنے میں لڑکی کی رضامندی کا دخل ہوتا ہے باپ کو پورا اختیار حاصل نہیں ہے)۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا:۔ اگر ولی نے لڑکی سے نکاح کی اجازت طلب کی اور وہ چپ ہو گئی یا ہنسی تو یہ (اس کی طرف سے) نکاح کی اجازت ہو گی۔ مصنفؒ نے فرمایا:۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ "کنواری لڑکی سے اس کے نکاح کے بارے میں مشورہ کیا جائے گا، اگر وہ چپ ہو گئی تو (سمجھو) وہ راضی ہو گئی"۔ نیز ہنسنے اور چپ رہنے میں لڑکی کی رضامندی کی جہت راجح ہے کیونکہ وہ اپنی رغبت کا اظہار کرنے سے شرماتی ہے کنواری لڑکی نکاح رد کرنے کے لئے چپ رہنے یا ہنسنے کا عمل نہیں کرتی۔ ہنسنے میں چپ رہنے کی بنسبت رضامندی پر زیادہ دلالت ہے۔

مشورہ کے وقت رونے کی حیثیت مختلف ہے (کہ یہ رضامندی کی دلیل نہیں ہے) کیونکہ رونا ناراضگی و ناگواری کی دلیل و علامت ہے۔ بعض نے کہا کہ اگر نکاح کے بارے میں سنتے ہی مذاق اڑانے کے انداز میں ہنسی تو یہ رضامندی کی دلیل نہیں ہے اور اگر بغیر آواز کے روئی تو یہ نکاح رد کرنے کی دلیل نہیں ہے (کیونکہ اس موقع پر ماں باپ وغیرہ کی جدائی پر بھی رونا آتا ہے)۔

مسئلہ:- امام محمدؒ نے فرمایا:- اگر ولی کے علاوہ کسی اور نے اس طرح کیا یعنی ولی کے علاوہ کسی اور نے یا قریب کے ولی (مثلاً باپ) کے بجائے دور کے ولی (مثلاً چچا) نے لڑکی سے مشورہ طلب کیا تو زبان سے کلام کئے بغیر (کسی اور عمل سے) رضامندی نہیں ہوگی۔ مصنفؒ نے فرمایا:- کیونکہ لڑکی (اگر چپ ہوگئی تو اس کا) چپ رہنا غیر ولی کے کلام کی طرف التفات نہ کرنے کی وجہ سے ہے اس لئے چپ رہنا رضامندی کی دلیل نہیں ہوگا۔ اگر (چپ رہنے سے) رضامندی ہو تب بھی اس میں ناراضگی کا احتمال ہے (یعنی اس میں دونوں احتمال ہیں) اور اس جیسی صورت میں (ایک احتمال پر یعنی رضامندی پر) اکتفاء ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور ولی کے علاوہ دوسرے اشخاص کے حق میں کوئی ضرورت نہیں ہے (اس لئے صرف ایک احتمال پر اکتفاء نہیں ہوگا)۔

لیکن ولی کا ایلچی اگر مشورہ کرنے والا ہو تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ کلام کئے بغیر چپ رہنے یا ہنسنے سے رضامندی ہو جائے گی) کیونکہ ایلچی ولی کے قائم مقام ہے۔

مسئلہ: لڑکی سے پوچھنے میں شوہر کا نام (وصفات) اس طرح بیان کرنا ضروری ہے کہ شوہر کے بارے میں اسے پورا علم ہو جائے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ لڑکی کی اس میں رغبت ہے یا رغبت نہیں ہے۔

لڑکی سے پوچھنے میں مہر (کی مقدار) ذکر کرنے کی شرط نہیں ہے۔ یہی صحیح روایت ہے کیونکہ مہر کے ذکر کے بغیر بھی نکاح صحیح ہے۔

مسئلہ: اگر لڑکی کی شادی کرا دی، بعد میں اسے خبر پہنچی اور وہ چپ رہی تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم نے (ابھی) ذکر کیا (کہ اگر ولی یا اس کے ایلچی نے خبر دی تو رضامندی اور اگر ولی نے خبر دی تو ناراضگی کی دلیل ہے)۔ کیونکہ چپ رہنے کی دلالت (صورت مسئلہ کے اختلاف سے) مختلف نہیں ہوتی۔ اگر خبر دینے والا فضولی ہے (یعنی لڑکے و لڑکی نے اسے شادی کے لئے وکیل مقرر نہیں کیا بلکہ خود اس نے دونوں کی شادی کا عقد کسی مجلس میں کر دیا بعد میں انہیں خبر دی) تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک (اس کی خبر مقبول ہونے اور اس پر جواب مرتب ہونے کے لئے گواہی کی ایک شرط) دو فرد ہونا یا خود فضولی کا عادل ہونا ضروری ہے۔ صاحبینؒ کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک یہ شرط نہیں ہے)۔ اگر ولی کے ایلچی نے خبر دی تو بالاجماع اس کے لئے کوئی شرط نہیں ہے اور اس کے بہت سے نظائر ہیں۔

مسئلہ: اگر شوہر رسیدہ عورت سے نکاح کی اجازت طلب کی تو کلام کر کے رضامندی ظاہر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "شوہر رسیدہ عورت سے مشورہ لیا جائے"۔ نیز اس کا کلام

کرنا معیوب نہیں ہے، سابقہ شوہر سے تجربہ کی وجہ سے حیا و شرم بھی کم ہو گئی تو اس کے حق میں کلام کے ضروری ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے۔

مسئلہ: اگر لڑکی کا پردۂ بکارت (یعنی کنوارپن) کودنے یا حیض کی کثرت یا زخم یا زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے زائل و ختم ہو گیا تب بھی وہ کنواری لڑکیوں کے حکم میں ہے۔ (یعنی اس کے لئے نکاح کی اجازت دیتے وقت زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے)۔ کیونکہ حقیقت میں وہ کنواری ہے۔ اس لئے کہ اس کو پہنچنے والا مرد پہلا پہنچنے والا ہے۔ بکارت ہی سے باکورہ (یعنی نیا پھل) اور بکرۃ (یعنی صبح) نکلی ہے (اس لئے کہ دونوں میں اوّلیت و پہل پائی جاتی ہے اسی طرح مذکورہ لڑکی کا شوہر بھی اس کے لئے پہلا مرد ہوگا چنانچہ وہ بھی باکرہ و کنواری کے حکم میں ہوگی)۔ نیز شادی کا تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ (زبان سے اجازت دینے میں) شرمائے گی (اس لئے اشارہ یا سکوت پر اکتفاء کریں گے)۔

مسئلہ: اگر لڑکی کا کنوارپن زنا کی وجہ سے ختم ہو گیا تو وہ بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کنواری ہی کی طرح ہے لیکن امام ابو یوسفؒ و محمدؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں کہ (اجازت کے وقت) اس کے سکوت پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ حقیقت میں وہ ثیبہ ہے اس لئے کہ اس کو پہنچنے والا مرد اس کی طرف لوٹنے والا ہے (کیونکہ اس سے پہلے ایک مرد پہنچ چکا ہے)۔ اسی لفظ سے مثوبۃ (یعنی عمل کا بدلہ) مثابۃ (یعنی لوٹنے والی جگہ) اور تثویب (یعنی ایک اعلان کے بعد دوسرا اعلان) نکلا ہے (ہر ایک کے اندر ثانویت

اور دوسری دفعہ ہوتا ہے اسی طرح مذکورہ لڑکی کے لئے بھی اس کا شوہر اس کے لئے دوسرا مرد ہے)۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ (آپ کا فرمانا ٹھیک ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ) لوگ اسے کنواری کی حیثیت سے پہچانتے ہیں اور زبان سے اجازت دینے پر اسے عیب لگائیں گے (اور بے شرمی کا طعنہ دیں گے) اس خوف سے مذکورہ لڑکی زبان سے اجازت دینے سے رُک جائے گی (اور نکاح نہیں ہو سکے گا) اس لئے اس کے سکوت پر ہی اکتفاء کر لیا جائے گا تاکہ لڑکی کی مصالح و فوائد اس سے معطّل و ختم نہ ہو جائیں۔ جس لڑکی سے شبہ کی وجہ سے یا نکاح فاسد کی وجہ سے جماع کر لیا گیا تو اس کا حکم مختلف ہے (کہ امام صاحب کے نزدیک بھی وہ ثیبہ کے حکم میں ہے) کیونکہ شریعت نے اس سے (عدّت، مہر و تاوان کے) احکام متعلق کر کے اس کے معاملہ کو ظاہر کر دیا (اور سب کو اس کے بارے میں علم ہو گیا۔ چنانچہ زبان سے اجازت دینے میں اسے طعنہ کا خوف نہیں ہے، اس لئے زبان سے اجازت ضروری ہے) لیکن زنا کے معاملہ کو چھپانا مستحب ہے (اس لئے اس کا حکم مختلف ہے) حتیٰ کہ اگر اس کا حال مشہور ہو جائے (اور سب کو اس بارے میں علم ہو) تو سکوت پر اکتفاء نہیں ہو گا۔

مسئلہ:۔ اگر مرد نے لڑکی سے کہا کہ جب تمہیں نکاح کی خبر پہنچی تھی تو تم نے سکوت کر لیا تھا (یعنی راضی ہو گئی تھیں اور اب میری بیوی ہو) لیکن لڑکی نے کہا کہ میں نے تو رد و انکار کر دیا تھا تو لڑکی کا قول معتبر ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ لڑکے کا قول معتبر ہے کیونکہ سکوت اصل (و پہلے سے

ثابت) ہے اور انکار بعد میں پیش آنے والا ہے (اور مرد نے اصل سے دلیل پکڑی ہے اس لئے اس کا قول معتبر ہے) اور اس کی حیثیت اس شخص کی طرح ہو گئی جس کے لئے بیع میں اختیار کی شرط رکھی گئی تھی (مثلاً بائع) اور وہ اس کی مدت (یعنی تین دن) گزرنے کے بعد بیع رد کرنے کا دعوٰی کرے (تو اس صورت میں خریدار کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ بائع کے سکوت سے دلیل پکڑ رہا ہے)۔ ہم دلیل میں یہ کہتے ہیں کہ مرد عقد نکاح لازم ہونے اور ناموس کے مالک ہونے کا دعوٰی کر رہا ہے جبکہ لڑکی اس کے دعوٰی کو دفع کر رہی ہے تو وہ منکر ہو گئی (اور اگر مدعی کے پاس دلیل نہ ہو تو منکر کا قول معتبر ہوتا ہے) اور لڑکی اس امین کے مشابہہ ہو گئی کہ جس نے امانت واپس کرنے کا دعوٰی کیا (اور مالک نے یہ دعوٰی کیا کہ امانت اسی کے پاس ہے تو اس صورت میں امین کا قول معتبر ہے کیونکہ وہ منکر ہے) بیع کے اختیار کے مسئلہ کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ مدت گذرنے کے بعد بیع کا لازم ہونا ظاہر ہو چکا ہے (اور اس کے بعد وہ اس کے رد کرنے کا دعوٰی کر رہا ہے اس لئے اس کی بات معتبر نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر مرد نے لڑکی کے سکوت پر دلیل قائم کر دی تو نکاح ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ مرد نے دلیل سے اپنے دعوٰی کو روشن کر دیا۔ دلیل نہ ہونے کی صورت میں (لڑکی کا قول معتبر ہونے کے لئے) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر قسم کی ضرورت نہیں ہے (حالانکہ اصولی طور پر منکر کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوتا ہے اسی لئے صاحبینؒ کے نزدیک قسم ضروری ہے) یہ مسئلہ ان چھ مسائل میں سے ہے جس میں منکر کو قسم دلانے میں اختلاف ہے اس کی تفصیل

انشاء اللہ دعویٰ کی بحث میں آئے گی۔

مسئلہ: - چھوٹے نا بالغ لڑکے و لڑکی کا نکاح جائز ہے بشرطیکہ دونوں کی شادی ان کا ولی کروائے خواہ لڑکی کنواری ہو یا شوہر رسیدہ - ولی یعنی سرپرست سے مراد عصبہ ہے (یعنی وہ لوگ جو میراث میں بقیہ مال لینے کے مستحق ہوتے ہیں جو کہ بیٹا، باپ، بھائی اور چچا تائے ہیں)۔ امام مالکؒ باپ کے علاوہ دوسرے ولی (یعنی دادا بھائی وغیرہ) کو یہ حق دینے میں ہماری مخالفت کرتے ہیں[1] اور امام شافعیؒ باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی (یعنی بھائی و چچا وغیرہ) کے بارے میں اور نا بالغ شوہر رسیدہ لڑکی کی ولایت کے بارے میں بھی اختلاف کرتے ہیں[2] - امام مالکؒ کی دلیل یہ ہے کہ آزاد لڑکی کے نکاح کرانے کا اختیار و سرپرستی (نکاح کی) ضرورت کی وجہ سے ہے اور چھوٹی لڑکی میں شہوت نہ ہونے کی وجہ سے (نکاح کی) ضرورت نہیں ہے (اس لئے ولایت بھی ثابت نہیں ہے) مگر یہ کہ باپ کے لئے ولایت و اختیار قیاس کے مخالف حدیث سے ثابت ہے (حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کا نکاح جو نابالغہ تھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا تھا اس لئے باپ کے لئے تو ولایت ثابت ہے) لیکن دادا باپ کے درجہ میں نہیں ہے چنانچہ دادا کو حکم میں باپ کے ساتھ نہیں ملائیں گے - ہم جواب میں کہتے ہیں کہ نہیں!

---

[1] یعنی اگر باپ کی غیر موجودگی میں کوئی ولی نا بالغہ لڑکی کا نکاح کرا دے تو نافذ نہیں ہوگا۔

[2] یعنی باپ و دادا کے علاوہ کوئی اور ولی نا بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح نہیں کرا سکتا اور اگر لڑکی ثیبہ ہے تو کسی کو بھی اس پر نکاح کرانے کا اختیار حاصل نہیں ہے - یہ نکاح کرنے میں آزاد ہے -

بلکہ یہ تو قیاس کے موافق ہے۔ کیونکہ نکاح بہت سی مصلحتوں پر مشتمل ہے اور یہ تمام مصلحتیں عرف عام میں دو ہم پلہ ہی میں پائی جاتی ہیں اور ہر زمانہ میں ہم پلہ نہیں ملتا اس لئے (اگر بچپن میں مل جائے تو) بچپن ہی کی حالت میں ہم پلہ کی حفاظت کے لئے ہم نے ولایت کو ثابت کیا (کیونکہ بڑے ہونے کے بعد احتمال ہے کہ کسی اور سے نکاح ہو جائے)۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ باپ و دادا کے علاوہ کسی اور کو (نکاح کی) سرپرستی سپرد کرنے میں شفقت و ہمدردی کامل نہیں ہوتی کیونکہ باپ و دادا کے علاوہ (دوسرے اولیاء) میں شفقت کم ہوتی ہے اور رشتہ داری دور کی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ولی بچے کے مال میں تصرف نہیں کر سکتا حالانکہ مال کا درجہ کم ہے تو جان میں بدرجہ اولیٰ تصرف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ (نکاح کرانا گویا کہ اس کی جان دوسرے کے حوالہ کرنا ہے اور) جان مال کی بنسبت اعلیٰ و اولیٰ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل میں رشتہ داری شفقت کی داعی (و منبع) ہے جیسا کہ باپ و دادا میں شفقت ہے۔ ان کے علاوہ دوسرے ولی میں جو کمی ہے تو اسے ہم نے نکاح لازم کرنے کے اختیار کو سلب کرنے میں ظاہر کر دیا (یعنی باپ و دادا کے علاوہ کوئی اور ولی نکاح کرا دے تو بالغ ہونے کے بعد لڑکے و لڑکی دونوں کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے لیکن اگر باپ یا دادا کرائے تو یہ اختیار نہیں ہے)۔ مال میں تصرف کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ مال میں تکرار ہوتی ہے (ایک ہاتھ سے دوسرے کے ہاتھ پھر تیسرے کے ہاتھ میں جاتا ہے اور اسی طرح سلسلہ

چلتا ہے جس میں مال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے) اس لئے اس خلل کا تدارک ممکن نہیں ہے اور مال میں تصرف کا اختیار اسی وقت مفید ہے جب کہ وہ تصرف فی الحال لازم و نافذ ہو۔ اور چونکہ باپ و دادا کے علاوہ دوسرے ولی میں شفقت کم ہے اس لئے مالی تصرف لازم کرنے کا اختیار ان کے لئے ثابت نہیں ہوگا۔ امام شافعیؒ کی دوسرے مسئلہ میں دلیل یہ ہے کہ (سابقہ شوہر سے) تجربہ ہونے کی وجہ سے شوہر رسیدہ ہونا (غور و فکر اور رائے قائم کرنے کی صلاحیت حاصل ہونے کا سبب ہے تو آسانی کے لئے ہم نے اسی (سبب) کو (ولی ہونے یا نہ ہونے کے) حکم کے لئے مدار بنایا (کہ اگر شوہر رسیدہ ہے تو اسے ولی کی ضرورت نہیں خواہ نابالغ ہو اور اگر شوہر رسیدہ نہیں بلکہ کنواری ہے تو ولی کی ضرورت ہے خواہ بالغہ ہو)۔ ہماری دلیل وہ ہے جو ہم نے ذکر کی کہ بچپن میں (ہم پلہ ملنے اور اسے محفوظ کرنے کے لئے) بھی نکاح کی ضرورت ہے اور باپ و دادا میں کامل شفقت ہے (آپ نے جسے مدار بنایا ہے اسے ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ) شہوت کے بغیر شوہر سے ممارست و تجربہ رائے (غور و فکر کی قابلیت پیدا نہیں کرتا، اس لئے حکم کا مدار بچپنے پر ہے (کہ اگر لڑکی نابالغ ہے تو ولی کی ضرورت ہے ورنہ

لہ یعنی موقوف یا مدت دراز کے بعد فسخ کا اختیار نہ ہو۔ اگر کوئی چیز فروخت کی اور خریدار کے لئے ملکیت موقوف ہو یا ایک مدت کے بعد بائع اسے فسخ کر سکتا ہو تو کوئی شخص بھی چیز نہیں خریدے گا۔ اس لئے مال میں تصرف کا اختیار اسی صورت میں مفید ہے کہ بچے بالغ ہونے کے بعد فسخ نہ کر سکیں۔

نہیں)۔ سرپرست کے عام ہونے کا جو حکم ہم نے ذکر کیا ہے اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے ہوتی ہے کہ "نکاح کا اختیار سرپرستو پر ہے" اس میں باپ دادا وغیرہ کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ نکاح میں سرپرستوں کی ترتیب وراثت کی ترتیب کی طرح ہے (یعنی پہلے بیٹے پھر باپ پھر بھائی اور پھر چچا کا نمبر ہے اور دادا باپ کے درجے میں ہے) اور دور کا سرپرست قریب کے سرپرست کی موجودگی میں محروم ہے (یعنی باپ کی موجودگی میں بھائی یا چچا کو نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر باپ یا دادا نے ان دونوں یعنی نابالغ لڑکے و لڑکی کا نکاح کرا دیا تو ان دونوں کو بالغ ہونے کے بعد نکاح ختم کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی رائے کامل ہے اور شفقت بھی بھرپور ہے تو ان دونوں کی طرف سے نکاح کرانا اسی طرح لازم ہوگا جس طرح لڑکا و لڑکی بالغ ہونے کے بعد اپنی مرضی و خوشی سے نکاح کرتے ہیں تو لازم ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر نابالغ لڑکے و لڑکی کا نکاح باپ و دادا کے علاوہ دوسرے ولی نے کرایا تو ان میں سے ہر ایک کو بالغ ہونے کے بعد یہ اختیار ہے کہ اگر چاہے تو نکاح قائم رکھے اور اگر چاہے فسخ کر دے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ باپ و دادا کے حکم پر قیاس کرتے ہوئے انہیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بھائی کی قرابت (و رشتہ داری) میں کمی ہے اور یہ کمی شفقت

میں کمی کی علامت ہے تو بھائی کی جانب سے نکاح کرانے میں نکاح کے مقاصد حاصل کرنے میں خلل واقع ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ خلل واقع ہو جائے (جس کا تدارک کرنا ضروری ہے) اور تدارک اس طرح ممکن ہے کہ بالغ ہونے پر اختیار دیا جائے۔

باپ اور دادا کے علاوہ سرپرست کے بارے میں جواب مطلق و عام ہے جو کہ ماں اور قاضی کو بھی شامل ہے (یعنی ماں اور قاضی کا حکم بھی بھائی و چچا کی طرح ہے) اور یہی صحیح روایت ہے کیونکہ ان میں سے ایک یعنی ماں میں رائے وغور و فکر کی کمی ہے اور دوسرے (یعنی قاضی) میں شفقت کی کمی ہے۔ اس لئے لڑکے و لڑکی کو اختیار حاصل ہوگا۔ نکاح فسخ کرنے کے لئے قاضی کا فیصلہ شرط ہے (یعنی بالغ ہونے کے بعد لڑکا یا لڑکی اگر نکاح فسخ کرنا چاہے تو عدالت سے درخواست کرے اور قاضی فسخ کرے) منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد نکاح ختم کرنے کا جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کی حیثیت مختلف ہے (کہ اس میں قاضی کے فیصلہ کی ضرورت نہیں ہے) کیونکہ یہاں مذکورہ صورت میں فسخ کا اختیار خفیہ نقصان کو دور کرنے کے لئے ہے جو کہ نکاح کے مقاصد میں خلل کا واقع ہونا ہے اسی وجہ سے یہ اختیار لڑکے و لڑکی دونوں کو شامل ہے (کہ ہر ایک نکاح فسخ کر سکتا ہے) تو اس فسخ کی حیثیت دوسرے کے حق میں (خفیہ ضرر) لازم کرنے کی ہو گئی اس لئے قاضی کے فیصلہ کی ضرورت ہے (کیونکہ کوئی شخص دوسرے پر کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا) جبکہ باندی کو آزادی کے بعد جو اختیار حاصل

ہے تو وہ ظاہری ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے اور وہ ضرر یہ ہے کہ اب شوہر
کو اس پر زیادہ ملکیت حاصل ہو گئی (یعنی پہلے شوہر کو صرف دو طلاق کا
حق حاصل تھا اب تین طلاق کا حق حاصل ہو گیا اور پہلے وہ دو طلاق سے
نکاح سے آزاد ہو سکتی تھی اب تین طلاق سے آزاد ہو گی۔ ثابت ہوا کہ یہ اختیار
ظاہری ضرر دفع کرنے کے لئے ہے) اسی وجہ سے یہ اختیار باندی ہی کے
ساتھ خاص ہے (غلام کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے) تو اس اختیار کی حیثیت
نقصان دور کرنے کی ہے اور نقصان دور کرنے کے لئے قاضی کے فیصلہ کی
ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک یہ حکم ہے کہ لڑکی جب بالغ
ہو جائے اور نکاح کا علم ہونے کے بعد وہ چپ ہو جائے (اس کے بارے
میں کچھ نہ بولے) تو یہ نکاح پر رضامندی ہو گی (اس کے بعد فسخ کا اختیار
نہیں ہے) اگر اسے نکاح کا علم نہیں ہے تو اس کا اختیار باقی ہے یہاں
تک کہ اسے اس کا علم ہو پھر وہ چپ رہے (تو یہ چپ رہنا رضامندی ہو گی)۔
امام محمدؒ نے اختیار کے بارے میں نکاح کا علم ہونے کی شرط مقرر کی ہے کیونکہ
نکاح کے بارے میں علم کے بعد ہی اسے نکاح فسخ کرنے یا اجازت دینے
کی قدرت حاصل ہو گی اور (نکاح کے بارے میں وہ لاعلم ہو سکتی ہے کیونکہ
سرپرست نکاح کرانے میں منفرد ہوتا ہے (لڑکی کی رضامندی و علم کے بغیر
بھی نکاح کرا سکتا ہے) اس لئے لاعلمی اس کے لئے عذر ہو گی۔ یہ شرط
مقرر نہیں کی کہ اسے فسخ کے اختیار کا بھی علم ہونا چاہیئے (یعنی اگر اس حکم کا

علم نہ ہو تو اس کے علم کے بعد فسخ کا اختیار ہونا چاہیئے) ۔ شرط مقرر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آزاد لڑکی احکام شریعت جاننے کے لئے فارغ ہوتی ہے اور (وسائل بھی موجود ہیں کیونکہ) اسلامی حکومت علمی حکومت ہوتی ہے (جہاں علم حاصل کرنیکے مواقع ہوتے ہیں) اس لئے اس حکم سے لاعلمی عذر نہیں ہوگی۔ آزاد شدہ باندی کی حیثیت مختلف ہے (کہ اگر اسے فسخ کرنے کے اختیار کا علم نہیں ہے تو یہ اس کے لئے عذر ہے) کیونکہ باندی (آقا کی خدمت کی وجہ سے) احکام شریعت جاننے کے لئے فارغ نہیں ہوتی، اس لئے اختیار کا حکم ثابت ہونے کے بارے میں لاعلم ہونے کی وجہ سے معذور ہوگی۔

کنواری لڑکی کا بالغ ہونے کے بعد (نکاح فسخ کرنے کا) اختیار سکوت سے باطل ہوجائے گا لیکن لڑکے کا اختیار باطل نہیں ہوگا جب تک وہ یہ نہ کہے کہ میں راضی ہوں یا ایسی چیز اس سے ظاہر ہو جس سے اس کی (نکاح پر) رضامندی کا علم ہو۔ اسی طرح وہ لڑکی جس سے اس کے شوہر نے اس کے بالغ ہونے سے پہلے جماع کرلیا ہو تو وہ بھی بالغ ہونے کے بعد اختیار کے باطل ہونے میں لڑکے کی طرح ہے (کیونکہ وہ شوہر رسیدہ ہوگئی) بالغ ہونے کی حالت کو ابتدائی نکاح کے حال پر قیاس کرتے ہوئے یہ احکام ہیں (اس لئے کہ نکاح میں کنواری لڑکی کے سکوت سے اس کی رضامندی کا حکم لگتا ہے اور شوہر رسیدہ و لڑکے کی اجازت کے لئے زبان سے کہنا ضروری ہے)۔

مسئلہ:۔ بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار کنواری لڑکی کے حق میں (بالغ ہونے اور نکاح کا علم حاصل ہونے والی) مجلس کے اختتام

تک برقرار نہیں رہتا (بلکہ علم ہونے کے فوراً بعد ہی سکوت سے رضامندی اور انکار سے فسخ ہو جاتا ہے مجلس کے اختتام تک فیصلہ کرنے کا حق نہیں رہتا) لیکن شوہر رسیدہ و لڑکے کے حق میں یہ اختیار (علم ہونے کے بعد اس مجلس سے) کھڑے ہونے سے باطل نہیں ہوتا۔ کیونکہ لڑکی کے لئے یہ اختیار شوہر کی طرف سے ثابت نہیں ہوا ہے (کہ مجلس کے اختتام تک بھی باقی رہے) بلکہ نکاح کے مقاصد میں خلل ہونے کے وہم کی وجہ سے ثابت ہوا ہے اس لئے صرف رضامندی سے یہ اختیار باطل ہو جائے گا مگر (کنواری و شوہر رسیدہ میں فرق اس لئے ہے کہ) کنواری کا سکوت ہی رضامندی ہے[1]۔ آزادی کے اختیار کی حیثیت مختلف ہے (کہ منکوحہ باندی کو آزاد ہونے کے بعد اسی مجلس کے اختتام تک نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے) کیونکہ یہ اختیار آقا کی طرف سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ آزاد کرتا ہے اس لئے اس اختیار میں مجلس کا اعتبار ہوگا جیسے کہ طلاق کا اختیار دی ہوئی عورت کے اختیار کا حکم ہے (یعنی اگر کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق کا اختیار دیدے تو جس مجلس میں وہ ہے اس کے اختتام تک اسے یہ اختیار حاصل رہے گا)۔

مسئلہ:۔ بالغ ہونے کے اختیار کی وجہ سے لڑکے و لڑکی میں جدائی طلاق

---

[1] اس لئے بالغ ہونے کے علم ہونے کے بعد ہی سکوت سے رضامندی ثابت ہو کر نکاح لازم ہو جائے گا تو اب بعد میں اسے فسخ نہیں کر سکتی جبکہ شوہر رسیدہ کا سکوت رضامندی نہیں ہے تو جب تک زبان سے یا عملی طور پر کوئی فیصلہ نہ کرے تو اختیار ختم نہیں ہوگا۔

کے حکم میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہ جدائی لڑکی کی طرف سے بھی صحیح ہے حالانکہ عورت طلاق نہیں دے سکتی اور اسی طرح آزادی کے اختیار سے ہونے والی جدائی بھی طلاق نہیں ہے وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ یہ عورت کی جانب سے ہوتی ہے) لیکن طلاق کا اختیار دی ہوئی عورت کی جانب سے جدائی کا حکم مختلف ہے (کہ وہ طلاق ہے اگرچہ عورت نے نافذ کی ہے) کیونکہ شوہر نے اسے اس جدائی کا مالک بنایا ہے اور شوہر طلاق کا مالک ہے (تو گویا شوہر نے اسے طلاق کا مالک بنایا ہے)۔

اگر لڑکا و لڑکی میں سے کوئی ایک بالغ ہونے سے پہلے مرجائے تو دوسرا فرد اس کا وارث ہوگا اسی طرح اگر بالغ ہونے کے بعد جدائی سے پہلے کوئی ایک مرجائے تب بھی دوسرا وارث ہوگا کیونکہ نکاح کا اصل عقد صحیح ہے اور نکاح سے جو ناموس کی ملکیت ثابت ہوتی ہے وہ موت سے اپنے کمال کو پہنچ کر ختم ہوگئی (درمیان میں قطع نہیں ہوئی اس لئے وارث ہوگا) لیکن فضولی کے نکاح کا حکم مختلف ہے کہ اگر لڑکے یا لڑکی میں سے کسی ایک کا نکاح کی اجازت دینے سے پہلے انتقال ہوجائے (تو دوسرا اس کا وارث نہیں ہوگا) کیونکہ یہاں نکاح موقوف ہے تو موت سے باطل ہوجائے گا جب مذکورہ مسئلہ میں نکاح نافذ ہوچکا ہے تو موت سے ثابت ہوجائے گا۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوری ؒ نے فرمایا کہ غلام، بچے اور مجنون کو کسی کی سرپرستی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ مصنف ؒ نے فرمایا: کیونکہ ان مذکورہ افراد کو اپنے آپ پر اختیار حاصل نہیں ہے تو دوسرے پر ان کی سرپرستی (و اخفیا)

بدرجہ اولیٰ ثابت نہیں ہوگی۔ نیز یہ سرپرستی شفقت وغور وفکر کے لئے ہے جب کہ ان لوگوں کو سرپرستی سپرد کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے (کیونکہ بچہ ومجنون تجربہ نہ ہونے ورائے وعلم کی کمی کی وجہ سے اور (غلام آقا کی خدمت کی وجہ سے لڑکی کے لئے مناسب رشتہ ڈھونڈنے سے عاجز ہے)۔

کسی کافر کو مسلمان پر سرپرستی حاصل نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اللہ نے کافروں کے لئے مسلمانوں پر سربراہی کا کوئی راستہ ہرگز مقرر نہیں کیا"، اسی بناء پر کافر کی مسلمان کے خلاف گواہی مقبول نہیں ہے اور دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے۔ لیکن کافر کو اپنے کافر بیٹے پر نکاح کرانے کی سربراہی حاصل ہے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے کہ "وہ لوگ جو کافر ہیں ان میں سے بعض دوسروں کے ولی ہیں"۔ اسی وجہ سے کافر کی کافر کے خلاف گواہی مقبول ہے اور دونوں کے درمیان وراثت بھی جاری ہوتی ہے۔

مسئلہ:۔ اصل سرپرستوں (یعنی بیٹا، باپ، بھائی اور چچا) کے علاوہ دوسرے رشتہ دار بھی نکاح کرا سکتے ہیں۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل سرپرستوں کی غیر موجودگی میں یہ حکم ہے اور یہ بطور استحسان ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ (سرپرست کے علاوہ) دوسرے کے لئے نکاح کرانے کا اختیار ثابت نہیں ہے اور یہ قیاس کا تقاضا ہے۔ یہ بھی امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت ہے جبکہ امام ابویوسفؒ کا اس بارے قول مضطرب ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ وہ امام محمدؒ کے ساتھ ہیں۔ ان

دونوں کی دلیل وہی حدیث ہے جو ہم نے روایت کی (کہ النکاح الی العصباتؒ) نیز نکاح کی سرپرستی اس لئے حاصل ہے کہ رشتہ داری کو اس سے بچاتے کہ لڑکی کی طرف غیر ہم پلہ ہونے کی نسبت ہو (یعنی لڑکی لاعلمی کی وجہ سے غیر ہم پلہ میں نکاح نہ کرلے) اور اصل سرپرستوں (یعنی عصبات) کو یہ اختیار دینے سے حفاظت حاصل ہو سکتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے اصل میں سرپرستی شفقت پر مبنی ہے اور ایسے لوگوں کو نکاح کی سرپرستی سپرد کرنے سے شفقت حاصل ہوتی ہے جو رشتہ داری کے ساتھ خاص ہوں کیونکہ رشتہ داری ہی شفقت پر ابھارنے والی ہے۔

مسئلہ:۔ جس آزاد کی ہوئی باندی کا کوئی سرپرست نہ ہو یعنی رشتہ داروں میں سے عصبہ نہ ہو تو اگر اس کی شادی اسے آزاد کرنے والا آقا کروا دے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ وہ آخری عصبہ و سرپرست ہے۔

مسئلہ:۔ اگر (کسی لڑکی کا) کوئی بھی (رشتہ داروں میں سے) سرپرست نہ ہو تو حاکم سرپرست ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بادشاہ (حاکم) اس کا سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

اگر قریب کا سرپرست (مثلاً باپ) ایسا غائب ہو جائے کہ اس تک پہنچنا و ملنا ختم ہو جائے تو اس سے دور کے سرپرست (مثلاً بھائی) کے لئے جائز ہے کہ وہ شادی کرا دے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے کیونکہ قریب کی سرپرستی قائم ہے۔ اس لئے کہ قریب کے لئے اس حق کی بناء پر سرپرستی ثابت ہوتی ہے کہ وہ رشتہ داری کو غیر ہم پلہ میں نسبت کرنے سے بچائے تو

اس کے غائب ہونے سے یہ باطل نہیں ہو گی۔ اسی وجہ سے جس مقام پر وہ ہے
اگر اسی مقام میں لڑکی کی شادی کر دے تو یہ جائز ہے (معلوم ہوا کہ اس کی
سرپرستی موجود ہے) اور اس کی سرپرستی کی موجودگی میں اس سے دور کے
سرپرست کے لئے سرپرستی ثابت نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ سرپرستی
شفقت (وفائدہ) پر مبنی ہے اور ایسے شخص کو سرپرستی دینے میں کوئی فائدہ
نہیں ہے جس کی رائے سے فائدہ نہ اٹھایا جا سکے، اس لئے ہم نے سرپرستی
دور کے سرپرست کو سونپ دی اور یہ دور کا سرپرست حاکم پر مقدّم ہے
جیسے اگر قریب کا سرپرست مرجائے (تو دور کا سرپرست حاکم پر مقدّم
ہوتا ہے)۔ (امام زفرؒ نے جو نظیر پیش کی تھی کہ) اگر جہاں وہ ہے وہاں شادی
کر دے (اس کا جواب یہ ہے کہ) ہم اسے تسلیم نہیں کرتے اور اگر تسلیم
کرلیں تو ہم (اس کے جواب میں) کہتے ہیں کہ دور کے سرپرست میں دو باتیں ہیں
رشتہ داری کا دور ہونا اور تدبیر کا قریب ہونا جبکہ قریب کے سرپرست
میں دو باتیں اس کے برعکس ہیں (یعنی رشتہ داری کا قریب ہونا اور تدبیر کا
دور ہونا) تو دونوں دو مساوی سرپرستوں کے درجہ میں ہو گئے تو ان میں
سے جو بھی عقد کرا دے نافذ ہو جائے گا اور اسے رد نہیں کیا جائے گا۔

ایسا غائب ہونا کہ ملنا ختم ہو جائے وہ یہ ہے کہ سرپرست ایسے شہر
میں ہو جہاں قافلے سال میں صرف ایک دفعہ جاتے ہیں۔ علامہ قدوریؒ کے
نزدیک یہی مختار ہے۔ کسی نے کہا کہ سفر کی ادنیٰ مدت (یعنی تین دن) کے
فاصلہ پر ہو کیونکہ بڑی سے بڑی مدت کی کوئی انتہا نہیں ہے اور یہ بعض

متاخرین کے نزدیک مختار ہے۔ کسی نے کہا کہ وہ اس حال میں ہو کہ اس کی رائے پوچھنے (کی مدت) میں ہم پلہ فوت ہو سکتا ہو۔ یہ قول فقہ کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس صورت میں اس کی سرپرستی باقی رکھنے میں (بچی کے لئے) کوئی شفقت نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مجنون عورت کے سرپرستوں میں سے اس کا باپ و بیٹا جمع ہو جائیں تو اس کا نکاح کرانے کا ولی اس کا بیٹا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ہے جبکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا باپ ولی ہے کیونکہ باپ میں بیٹے کی بنسبت زیادہ شفقت ہوتی ہے۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ میراث کے عصبہ یعنی سرپرستوں کی ترتیب میں بیٹا مقدم ہے اور نکاح کی سرپرستی بھی اسی پر مبنی ہے۔ شفقت کے زیادہ ہونے کا اعتبار نہیں ہے جیسے نانا اگر کسی عصبہ کے ساتھ جمع ہو جائے (مثلاً نانا اور بھتیجا جمع ہو جائے تو میراث میں بھی بھتیجا مقدم ہے اور نانا محروم ہے اسی طرح نکاح کرانے میں بھتیجے کو اختیار حاصل ہے نانا کو نہیں حالانکہ نانا میں شفقت زیادہ ہے، کیونکہ بھتیجا عصبہ ہے اور نانا عصبہ نہیں ہے)۔

فصل فی الکفاءة

ہم پلّہ ہونے کا بیان

نکاح میں ہم پلّہ (وہمسر) کا اعتبار ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خبردار! عورتوں کی شادی صرف ان کے سرپرست کرائیں اور سرپرست ان کی شادی صرف ہم پلّہ سے کرائیں"۔ نیز عادت ہے کہ دو ہم پلّہ کے درمیان مصالح وفوائد کا انتظام بہتر طور پر ہوتا ہے کیونکہ شریف لڑکی خسیس وکمینے آدمی کا فراش بننے سے طبعی طور پر انکار کرتی ہے (اگر شادی ہوگئی تو گھر کا انتظام صحیح نہیں چلے گا) اس لئے لڑکی کے لئے ہم پلّہ کا اعتبار کرنا ضروری ہے (کہ اس کا شوہر اس کے ہم پلّہ ہو) لیکن لڑکے کے لئے لڑکی کی جانب کی حیثیت مختلف ہے (کہ لڑکی لڑکے سے کم درجہ کی ہوسکتی ہے) کیونکہ شوہر خود صاحب فراش ہے تو فراش کا خسیس (وکمتر) ہونا اسے نہیں بھڑکائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر لڑکی نے اپنی شادی خود غیر ہم پلّہ میں کرلی تو لڑکی کے سرپرست ان دونوں میں تفریق وجدائی کرسکتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنے اوپر سے عار کا دھبہ دور کریں۔

ہم پلّہ کا اعتبار نسب[1] میں ہے۔ کیونکہ نسب کے ذریعہ فخر ہوتا ہے۔

قریشی قبیلہ باہم ایک دوسرے کا ہم پلہ ہے (اگرچہ ان کی شاخ مختلف ہو جیسے ہاشمی، اموی، عدوی وغیرہ[۱]) قریش کے علاوہ بقیہ عرب ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں (یعنی غیر قریشی عرب غیر قریشی عرب کا ہم پلہ ہے لیکن غیر قریشی قریشی کا ہم پلہ نہیں ہے) اس حکم میں اصل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ قریش باہم ایک دوسرے کے ہم پلہ ہیں (ان کی) ایک شاخ دوسری شاخ کے مقابلہ میں ہے اور (قریش کے علاوہ) عرب کا ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا ہم پلہ ہے اور غیر عرب میں سے ہر ایک مرد دوسرے مرد کا ہم پلہ ہے۔ قریش کی شاخوں کی درمیان (نسب کے اعتبار سے) فضیلت کا اعتبار نہیں ہے (بلکہ سب برابر ہیں یعنی ہاشمی لڑکی کا نکاح اموی لڑکے سے ہوسکتا ہے) اس حدیث کی رو سے جو ابھی ہم نے روایت کی۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مگر یہ کہ (قریش میں سے) جس قبیلہ کے نسب کو شہرت حاصل ہو (تو غیر مشہور قبیلہ اس کا ہم پلہ نہیں ہے) جیسے خلفاء کا خاندان، امام محمدؒ نے شاید مصلحت کے طور پر خلافت کی تعظیم کے لئے اور (قاضی و مفتی کے لئے) آزمائش سے سکون حاصل کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ عرب میں سے بنو باہلہ (ہمدانی عورت کی اولاد) بقیہ تمام عرب کے ہم پلہ نہیں ہیں کیونکہ وہ

---

[۱] پاک و ہند میں ہاشمی کو سید اور غیر ہاشمی کو شیخ کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ شیخ سید کا ہم پلہ ہے اور ان میں باہم نکاح جائز ہے۔ ہاشمی یا سید سے مراد حضرت عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عقیلؓ کی اولاد ہیں۔

اپنی کمینگی میں معروف ومشہور ہیں۔

مسئلہ:۔ وہ لوگ جو پہلے غلام تھے پھر آزاد کئے گئے تو ان میں سے جس کے باپ و دادا اور اس کے اوپر کے اجداد مسلمان ہوں تو وہ ان مسلمانوں کا ہم پلّہ ہے جن کے اجداد مسلمان ہوں۔ جو شخص خود مسلمان ہوا (باپ مسلمان نہیں ہے) یا اس کا صرف باپ مسلمان ہے (دادا مسلمان نہیں ہے) تو یہ اس شخص کا ہم پلّہ نہیں ہے جس کے باپ و دادا مسلمان ہیں۔ اس لئے کہ نسب کی پوری پہچان باپ و دادا سے ہوتی ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے اس شخص کو جس کا صرف باپ مسلمان ہے اس سے ملا دیا جس کے باپ و دادا مسلمان ہیں جیسا کہ کسی کا تعارف کرانے میں ان کا مذہب ہے (کہ اس میں صرف باپ کا نام لینا کافی ہے)۔

مسئلہ:۔ جو شخص خود مسلمان ہوا (اور اس کا باپ مسلمان نہیں ہے) تو یہ اس کا ہم پلّہ نہیں ہے جس کا صرف باپ مسلمان ہے (دادا مسلمان نہیں ہے)۔ کیونکہ آزاد کئے ہوئے انسانوں میں فخر اسلام کے ذریعہ ہوتا ہے (یعنی جس کے باپ دادا مسلمان ہوں تو وہ اس شخص پر فخر کرتا ہے جس کا صرف باپ مسلمان ہو۔ اسی طرح نیچے تک ترتیب ہے)۔

مسئلہ:۔ آزادگی میں ہم پلّہ ہونے کی ترتیب کی نظیر وہی ہے جو ہم نے اسلام کے بارے میں ذکر کی (یعنی جس کا باپ آزاد ہے وہ اس کا ہم پلّہ نہیں جس کے باپ و دادا آزاد ہوں۔ اسی طرح جو خود آزاد ہو لیکن باپ آزاد نہ ہو تو وہ اس کا ہم پلّہ نہیں جس کا باپ بھی آزاد ہے)۔ کیونکہ

غلامی بھی کفر کا اثر ہے (یعنی کافر غلام بنتا ہے) اور اس میں ذلّت کا مفہوم ہے، اس لئے اس کا ہم پلّہ (ہوتے یا نہ ہونے) میں اعتبار کریں گے۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا: دینؒ یعنی دین داری میں بھی ہم پلّہ ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے (کہ فاسق مرد دین دار عورت کا ہم پلّہ نہیں ہے) مصنّفؒ فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ قابل فخر چیزوں میں سے دین داری سب سے بلند ہے اور عورت کو اس کے نسب کے گھٹیا ہونے کی بنسبت اس کے شوہر کے فسق کی زیادہ عار دلائی جاتی ہے (کہ تیرا شوہر ایسا ہے)۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہ امورِ آخرت میں سے ہے تو اس پر دنیا کے احکام مبنی نہیں ہوں گے مگر یہ کہ اگر مرد اتنا گھٹیا ہو کہ لوگ اس کی گردن پر مارتے ہوں، اس کا مذاق اڑاتے ہوں یا نشہ کر کے بازار میں نکلتا ہو تو بچے اس سے کھیل بناتے ہوں (تو وہ نیک عورت کا ہم پلّہ نہیں ہے) کیونکہ لوگ اس طرح کر کے اس کا مذاق اڑاتے اور گھٹیا سمجھتے ہیں۔

مسئلہ:۔ مالداریؒ میں بھی اس کا اعتبار ہے۔ مالداری سے مراد یہ ہے کہ مرد مہر اور نفقہ ادا کرنے کا مالک ہو۔ ظاہر الروایت میں یہی معتبر ہے حتیٰ کہ جو شخص مہر و نفقہ دونوں یا کسی ایک کے ادا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو وہ ہم پلّہ نہیں ہے۔ کیونکہ مہر ناموس کا بدل ہے تو اس کا ادا کرنا ضروری ہے (کیونکہ نکاح کے بعد شوہر ناموس کا مالک ہوتا ہے) اور نفقہ کے ذریعہ شادی کا رشتہ قائم و دائم رہتا ہے۔ مہر سے اس کی

وہ مقدار مراد ہے جس کی جلد ادائیگی کو بیان کر دیا گیا ہو (اگر اس کی ادائیگی کی صلاحیت ہے تو ہم پلّہ ہے ورنہ نہیں) کیونکہ اس کے علاوہ مہر عرف عام میں ادھار ہوتا ہے (اس لئے اس کا اعتبار نہیں کریں گے) ۔ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے مہر کے بجائے صرف نفقہ کی ادائیگی پر قدرت کا اعتبار کیا ہے کیونکہ مہروں کے معاملے میں سستی کا رواج ہے (اکثر لوگ اس سے چشم پوشی کر لیتے ہیں) اور لڑکے کے باپ کی فراخی و وسعت پر قیاس کر کے لڑکے کو مہر کی ادائیگی پر قادر سمجھتے ہیں۔ حاصل یہ کہ مالداری میں ہم پلّہ ہونا امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک معتبر ہے حتیٰ کہ بہت مالدار عورت کا وہ شخص ہم پلّہ نہیں ہے جو صرف مہر اور نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو کیونکہ لوگ مالداری پر فخر اور غریبی سے عار محسوس کرتے ہیں لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں ہے کیونکہ اس میں پائداری نہیں ہے اس لئے کہ مال آنے جانے والی چیز ہے (بسا اوقات آدمی صبح مالدار ہوتا ہے اور شام کو غریب یا اس کے برعکس ہو جاتا ہے)۔

مسئلہ:۔ کاریگری و پیشے میں بھی اس کا اعتبار ہے۔ یہ حکم امام ابو یوسفؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو حنیفہؒ سے اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس کا اعتبار نہیں ہے مگر یہ کہ اگر وہ پیشہ ظاہراً معیوب ہو جیسے پچھنے لگا (کر خون نکالنے) والا، جولاہا اور کھال صاف کرنے والا وغیرہ (تو یہ ہم پلّہ نہیں ہیں)۔ کاریگری (و ہنر مندی) کا ہم پلّہ ہونے میں اعتبار کرنے کی

وجہ یہ ہے کہ لوگ اچھے پیشے پر فخر کرتے اور گھٹیا پیشے سے عار محسوس کرتے ہیں۔ دوسرے قول (یعنی اعتبار نہ کرنے) کی وجہ یہ ہے کہ کوئی خاص پیشہ انسانی زندگی کے لئے لازم وضروری نہیں ہے بلکہ گھٹیا پیشہ چھوڑ کر بہتر و عمدہ پیشہ اختیار کرنا ممکن ہے۔

مسئلہ:۔ اگر لڑکی نے خود شادی کی اور اپنے مہر مثل سے کم مہر مقرر کیا تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سرپرست اس پر اعتراض کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مقررہ مہر مہرِ مثل کے برابر کرے یا مہر چھوڑ دے۔ امام ابویوسفؒ و محمدؒ فرماتے ہیں کہ سرپرست اعتراض نہیں کر سکتے۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس مسئلہ کی صورت ان کے اس قول کے مطابق صحیح ہے جس کی طرف انہوں نے ولی کے بغیر نکاح کے باب میں رجوع کیا ہے[1] اور رجوع کرنے کی روایت صحیح ہے اور یہ مسئلہ اس پر سچی گواہی ہے۔ ان دونوں حضرات کی یہ دلیل ہے کہ دس درہم سے زیادہ مقدار لڑکی کا حق ہے اور جو اپنا حق ساقط کر دے اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا جیسا کہ مہر کی صحیح مقدار مقرر کرنے کے بعد ساقط کرنے پر اعتراض نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کی

---

[1] یعنی اگر ان کے نزدیک ولی کے بغیر نکاح منعقد نہ ہو تو سرپرست مہر پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اس لئے نکاح کے انعقاد کے بعد ہی مہر لازم ہوگا تو گویا مہر پر اعتراض کرنا نکاح کا صحیح ہونا ہے یہ ان کا سابقہ قول تھا۔ بعد میں انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور ان کے نزدیک بھی ولی کے بغیر نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اس قول کی بناء پر ان کے نزدیک مذکورہ مسئلہ صحیح ہوگا۔

یہ دلیل ہے کہ سرپرست مہر کی زیادہ و خطیر مقدار پر فخر کرتے ہیں (کہ ہمارے خاندان کی لڑکی کا مہر اتنا ہوتا ہے) اور قلیل مقدار سے عار محسوس کرتے ہیں تو مہر بھی ان چیزوں کے مشابہہ ہو گیا جن کا ہم پلّہ ہونے میں اعتبار ہے۔ مہر مقرر کرنے کے بعد ساقط و بری کرنے کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ یہ ذریعہ ندامت (و عار) نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر باپ نے اپنی نابالغ لڑکی کی شادی کرادی اور مہر اس کے مہر مثل[1] سے کم مقرر کیا یا اپنے نابالغ لڑکے کی شادی کرائی اور اس کی بیوی کا مہر مہرِ مثل سے زیادہ مقرر کیا تو دونوں کے بارے میں اس کا یہ عمل جائز ہے لیکن باپ و دادا کے علاوہ کسی اور کے لئے اس طرح کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابویوسفؒ و محمدؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل میں اضافہ یا کمی کرنا جائز نہیں ہے سوائے اتنی مقدار کے جتنی عام طور پر لوگ برداشت کرتے ہوں (یعنی معمولی اضافہ یا کمی کر سکتے ہیں)۔ ان کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک مہر میں اضافہ یا کمی کر کے عقد کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ سرپرستی شفقت و (ہمدردی) کے ساتھ مقیّد ہے، اس لئے شفقت فوت و معدوم ہونے کی صورت میں عقد باطل ہو جائے گا۔ مذکورہ صورت میں اسی طرح ہے

---

[1] کسی لڑکی کے مہر مثل سے مراد وہ مہر ہے جو سیرت و صفات میں اس کے خاندان کی اس جیسی لڑکیوں کا عام طور پر مقرر کیا جاتا ہے۔

کیونکہ مہرِ مثل میں کمی کرنا کوئی شفقت نہیں ہے جیسا کہ خرید و فروخت میں حکم ہے (یعنی اگر باپ بچے کے مال سے اس کے لئے کوئی چیز اس کی قیمت سے زیادہ میں خریدے یا بچے کی چیز معمولی قیمت میں فروخت کرے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں بچے کا نقصان ہے اسی طرح نکاح کا بھی حکم ہونا چاہیئے)۔ اور اسی (شفقت کی کمی کی) وجہ سے باپ و دادا کے علاوہ کسی اور سرپرست کے لئے یہ تصرّف کرنا جائز نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ (آپ کا اصول کہ شفقت شرط ہے ٹھیک ہے لیکن) اصل میں شفقت کے حکم کا مدار اس کی دلیل پر ہے اور شفقت کی دلیل رشتہ داری کا قرب ہوتا ہے (کیونکہ قُربِ رشتہ داری ہی شفقت کا باعث بنتی ہے اس لئے باپ و دادا میں سب سے زیادہ شفقت ہے۔ رہی مہر کے کم ہونے کی بات تو اس کا جواب یہ ہے کہ) نکاح کے مقاصد مہر سے بھی زیادہ اہمیت رکھتے ہیں (اس لئے اگر اس اہم چیز کو حاصل کرنے کے لئے لڑکی کے مہر میں کمی آجائے یا لڑکے پر مہر کی رقم زیادہ آجائے تو اس کا اعتبار نہیں اور خرید و فروخت کا جواب یہ ہے کہ) مالی تصرف میں مال مقصود ہوتا ہے (اس لئے خرید و فروخت میں مال کے نقصان کے ساتھ تصرف کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ شفقت کے منافی ہے۔ باپ و دادا کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کے لئے تصرّف کی اجازت اس لئے نہیں ہے کہ) ان کے علاوہ دوسروں کے حق میں شفقت کی دلیل (یعنی قُربِ رشتہ داری) ہم نے معدوم پائی (اس لئے شفقت نہ ہونے کی وجہ سے تصرّف کی اجازت نہیں دی)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح غلام سے کر دیا یا اپنے نابالغ لڑکے کا نکاح باندی سے کر دیا تو یہ عمل جائز ہے۔ یہ حکم بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ اس لئے کہ ہم پلّہ سے اعراض و بے رغبتی کر کے دوسری جگہ شادی کرانا کسی ایسی مصلحت کی وجہ سے ہوتا ہے جو ہم پلّہ کی مصلحت سے بھی زیادہ بلند ہوتی ہے (اور باپ اسے زیادہ سمجھتا ہے اس لئے وہ یہ کر سکتا ہے) جبکہ صاحبین کے نزدیک بچوں کے حق میں یہ ظاہری ضرر و نقصان ہے کیونکہ ہم پلّہ نہیں ہے اس لئے (شفقت کا اثر نہ ہونے کی وجہ سے) جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم

فصل فی الوکالۃ بالنکاح وغیرھا

نکاح کی وکالت وغیرہ کا بیان

مسئلہ:۔ لڑکے کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے چچا کی (نابالغ) لڑکی سے خود شادی کرلے (یہ حکم اس وقت ہے جبکہ لڑکی کا باپ، دادا، بھائی و چچا نہ ہو اور خود یہ لڑکا اس کا سرپرست ہو)۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے (اسی کے ساتھ یہ مسئلہ ہے کہ)

مسئلہ:۔ اگر عورت نے کسی مرد کو اپنے آپ سے شادی کرنے کی اجازت دے دی (اور کہا کہ تم مجھ سے شادی کرلو) تو آدمی نے دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا عقد کیا تو یہ جائز ہے۔ امام زفرؒ و شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کے بارے میں (ایک وقت میں) مالک بنانے والا اور (چیز کا خود) مالک بننے والا ہونے کا تصوّر نہیں ہو سکتا جیسا کہ خرید و فروخت میں یہ حکم ہے (یعنی ایک شخص ایک ہی چیز کا بائع و خریدار نہیں بن سکتا۔ اسی طرح نکاح میں بھی نہیں ہوگا کہ عورت کی طرف سے نکاح کرانے کا وکیل ہو اور خود اپنی ذات کی طرف سے وکیل بن کر شادی کرلے امام زفرؒ کے لئے پہلے مسئلہ میں یہی دلیل ہے اور امام شافعیؒ نے دونوں میں فرق کیا۔ اس

فرق کو بیان کرتے ہیں کہ) لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک سرپرست (مثلاً چچا زاد بھائی) کے لئے ضرورت کی بناء پر اس طرح کرنا جائز ہے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا اس کا ولی نہیں ہے (اور ولی کے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا تو اگر ولی خود نکاح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے) جبکہ وکیل میں اس کی ضرورت نہیں ہے (کیونکہ ولی موجود ہے اور وہ نکاح کروا سکتا ہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نکاح میں وکیل کی حیثیت صرف (لڑکے یا لڑکی کی طرف سے) کلام بیان کرنے والے سفیر کی طرح ہوتی ہے اور آپ نے جو ممانعت و رکاوٹ بیان کی ہے وہ حقوق میں ہے (کہ ایک شخص ایک وقت میں دو شخصوں کی طرف سے متضاد حقوق کا مالک نہیں ہو سکتا۔ یہ ممانعت) کلام کی تعبیر و نقل کرنے میں نہیں ہے اور نکاح میں حقوق وکیل سے متعلق نہیں ہوتے (اور نہ اس سے ان کا مطالبہ ہوتا ہے) جبکہ بیع کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ وکیل خود بیع کا معاملہ کرتا ہے حتیٰ کہ بیع کے حقوق (قیمت کی ادائیگی یا اس کا مطالبہ وغیرہ) اسی سے متعلق ہوتے ہیں (مؤکل سے کوئی شخص مطالبہ نہیں کر سکتا)۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ نکاح میں وکیل دونوں فریق کا والی بن سکتا ہے تو اس کا یہ کہنا کہ میں نے شادی کرا دی عقد کے دونوں حصوں (یعنی ایجاب و قبول) پر مشتمل ہے اور مستقل قبول کی ضرورت نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ غلام و باندی کی ان کے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کرائی تو وہ موقوف ہے۔ اگر آقا نے اجازت دی تو جائز ہے اور اگر اس نے یہ

شادی رد کردی تو باطل ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت کی اس کی رضامندی کے بغیر یا کسی مرد کی اس کی رضامندی کے بغیر شادی کرائی تو یہ شادی بھی ان کی اجازت پر موقوف ہو گی۔ یہ حکم ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک ہے۔ کیونکہ جو عقد فضولی[1] سے اس حال میں صادر ہوا ہے کہ اس کی اجازت دینے والا موجود ہے تو اس کی اجازت پر یہ موقوف ہو گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ فضولی کے تمام تصرفات باطل ہیں۔ کیونکہ عقد کی وضع اس لئے ہے کہ اس کا حکم ثابت و موجود ہو، جبکہ فضولی کوئی حکم ثابت نہیں کر سکتا اس لئے اس کا عمل بے کار ہو جائے گا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس تصرف کا رکن (یعنی ایجاب) ایسے شخص سے صادر ہوا جو اس کے صادر کرنے کا اہل ہے اور ایسے محل کی طرف منسوب ہے جو اسے قبول کر سکتا ہے (اس لئے اس کا عمل تو صحیح ہے) نیز عقد کے منعقد و قائم ہونے میں کسی کا کوئی نقصان و ضرر بھی نہیں ہے، اس لئے یہ عقد موقوف حالت میں منعقد ہو گا حتیٰ کہ جب اس میں لڑکا یا لڑکی مصلحت محسوس کریں گے تو اسے نافذ کر دیں گے اور (حکم ثابت نہ ہونے کے بارے میں جواب یہ ہے کہ) کبھی عقد کا حکم عقد سے مؤخر ہو جاتا ہے (اور فوراً نافذ نہیں ہوتا)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے کہا: گواہ رہو کہ میں نے فلاں عورت سے شادی

---

[1] فضولی وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی تصرف کرنے میں نہ خود اصل ہو اور نہ ہی کسی کی طرف سے وکیل و ولی ہو۔

کرلی ہے جب اس عورت کو خبر پہنچی تو اس نے نکاح کی اجازت دیدی تو یہ عقد باطل ہے اور اگر کسی نے کہا گواہ رہو کہ میں نے فلاں عورت کی اس مرد سے شادی کرادی اور جب یہ خبر اس عورت کو پہنچی تب اس نے اجازت دے دی تو یہ عقد جائز و صحیح ہے۔ اگر عورت اس طرح کہے تو تمام صورتوں میں اسی طرح حکم ہے (یعنی اگر عورت نے کہا کہ میں نے فلاں مرد سے شادی کرلی تو یہ عقد صحیح نہیں ہے اور اگر عورت نے کہا اور فضولی نے مرد کی جانب سے قبول کیا تو مرد کی اجازت کے بعد یہ نکاح صحیح ہے)۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر عورت نے کسی غیر موجود مرد سے شادی کا عقد کیا جب اس مرد کو خبر پہنچی تو اس نے اجازت دے دی، تو یہ عقد جائز ہے۔ اس اختلاف (کے اصول) کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ایک شخص دو جانب سے فضولی یا ایک جانب سے فضولی اور دوسری جانب سے اصل نہیں ہوسکتا (یعنی خود اصل و فضولی نہیں بن سکتا اور پہلے مسئلہ میں یہی صورت ہے) جبکہ امام ابو یوسفؒ کا اس میں اختلاف ہے (کہ ایک شخص اصل و فضولی بن سکتا ہے اس لئے ان کے نزدیک پہلا مسئلہ بھی صحیح ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر دو فضولی یا فضولی اور اصل کے درمیان عقد ہو تو بالاجماع جائز ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص دو جانب سے وکیل و مامور ہو (یعنی بائع و خریدار دونوں کی طرف سے وکیل

ہو) تو اس کا تصرّف نافذ ہوتا ہے، اس لئے اگر دونوں کی طرف سے فضولی ہو تو اس کا تصرّف بھی موقوف ہونا چاہیئے (اور دونوں یعنی لڑکا و لڑکی کی اجازت سے نافذ ہو جانا چاہیئے) اور اس کی حیثیت خلع اور مال کے بدلہ طلاق و آزادی دینے کی طرح ہو گئی[1]۔ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل میں یہاں عقد کے (دو حصّوں ایجاب و قبول) میں سے صرف ایک حصّہ (یعنی ایجاب) موجود ہے کیونکہ اگر عقد کے دونوں فریق موجود ہوں تو (ایک فریق کی جانب سے) ایجاب ایک حصّہ ہوتا ہے (اور دوسرے فریق کے ذمّہ دوسرا حصّہ قبول ہوتا ہے اور اس کے بغیر عقد تام نہیں ہوتا) اسی طرح دوسرے فریق کے غائب ہونے کی صورت میں ایجاب ایک حصّہ ہوگا (اور مذکورہ صورت میں صرف ایجاب ہی ہے اس لئے عقد تام نہیں ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہاں دوسرے غائب فریق کی جانب سے بعد میں قبول ہو رہا ہے تو اس کا جواب دیا کہ) عقد کا ایک حصّہ عقد کی مجلس کے باہر تک موقوف نہیں ہوتا (بلکہ قبول اسی مجلس میں کرنا ہوتا ہے) جیسا کہ خرید و فروخت کے احکام ہیں[2]۔ اور دو طرف سے وکیل کی حیثیت مختلف

---

[1] یعنی اگر کسی نے کہا کہ میں نے اتنے مال پر خلع کیا یا اتنے مال پر طلاق دی یا اتنے مال پر اسے آزاد کیا تو یہ ایک صیغہ سے صحیح ہے حالانکہ دوسرے فریق کا ذکر نہیں ہے جبکہ ان میں بھی ایجاب و قبول کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی ایک فرد سے عقد قائم ہونا چاہیئے اور غائب کی اجازت پر موقوف ہونا چاہیئے۔

[2] یعنی اگر کسی نے کہا کہ میں یہ چیز فروخت کرتا ہوں اور کسی نے قبول نہیں کیا، مجلس ختم ہو گئی تو اس کے بعد کوئی اسے قبول نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے دوسرے ایجاب کی ضرورت ہے۔ اسی طرح نکاح میں بھی ہوگا۔

ہے کیونکہ وہ (خود عقد نہیں کرتا بلکہ) اپنا کلام عقد کرنے والے دونوں فریق کی طرف منتقل کرتا ہے اور (اسی طرح) دو فضولیوں کے درمیان جو معاملہ جاری ہوتا ہے وہ عقد تام ہوتا ہے (یعنی ایک فضولی ایجاب اور دوسرا قبول کر لیتا ہے جس سے یہ عقد تام موقوف ہو جاتا ہے اور اصل کی اجازت سے نافذ ہو جاتا ہے۔ خلع کی نظیر کا جواب یہ ہے کہ) اسی طرح خلع اور اس کی دونوں ہم جنس یعنی (طلاق و آزادی) خود عقد تام ہیں (کسی دوسرے شخص کے قبول وغیرہ پر موقوف نہیں ہیں اسی لئے ایک شخص سے نافذ ہو جاتے ہیں) کیونکہ حقیقت میں یہ مرد کی جانب سے قسم کھانے کا تصرف و عمل ہے اسی لئے یہ لازم ہو جاتا ہے (اور اس کے بعد اس سے پھرنا اور رجوع کرنا صحیح نہیں ہے) اس لئے یہ ایک کے قول سے تام ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اس کی (یعنی بیری) شادی ایک عورت سے کردادو تو اس شخص نے ایک عقد میں دو عورتوں سے کروا دی تو ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی لازم نہیں ہو گی۔ کیونکہ حکم کی مخالفت کی وجہ سے دونوں عورتوں کی شادی کے نفاذ کی صورت نہیں ہے (اس لئے کہ حکم ایک عورت سے نکاح کا دیا تھا) اور نہ ہی ابہام کی وجہ سے ان دونوں میں سے کسی ایک عورت کی شادی غیر معین طور پر نافذ ہو سکتی ہے اور نہ ہی تعیین ہو سکتی ہے کیونکہ کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اس لئے جدائی متعین ہو گئی۔

مسئلہ: ۔ اگر کسی کو حاکم نے حکم دیا کہ اس کی شادی ایک عورت سے کروادے، تو اس نے دوسرے کی باندی سے شادی کروادی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ جائز ہے کیونکہ لفظ کی طرف غور کرو تو وہ مطلق ہے (اس میں آزاد یا باندی کی قید نہیں ہے) نیز (نفع کمانے کی) تہمت بھی نہیں ہے (کہ اپنی باندی سے نکاح نہیں کروایا)۔ امام ابویوسفؒ و محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ہم پلّہ ہی میں شادی کرانا جائز ہے اس کے علاوہ جائز نہیں کیونکہ جب کلام مطلق و بغیر قید کے ہو تو اس سے وہ معنی مراد ہوتے ہیں جو عرف عام میں ہوں اور اس کے عُرفی معنی ہم پلّہ سے شادی کرنا ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ عُرف مشترک ہے (آزاد و باندی دونوں کو شامل ہے) یا (ہم پلّہ سے شادی کرنا) عملی عُرف ہے تو یہ عُرف مطلق کلام کو مقیّد نہیں کر سکتا۔

امام محمدؒ نے (مبسوط کی) کتاب الوکالت میں ذکر کیا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک اس مسئلہ میں ہم پلّہ ہونے کا اعتبار بطور استحسان ہے کیونکہ مطلق شادی کرنے سے تو کوئی ایک بھی عاجز نہیں ہوتا (بلکہ ہر ایک کسی بھی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے لیکن ہم پلّہ لڑکی مشکل سے ملتی ہے) اس لئے ہم پلّہ لڑکی سے شادی کرنے اور (تلاش کرنے) کے لئے مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

باب المهر

مہر کا بیان

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: نکاح صحیح ہے اگرچہ مہر کا ذکر نہ ہو۔ مصنفؒ نے فرمایا: کیونکہ لغت میں نکاح باہم ملاپ کا عقد ہے اس لئے شوہر و بیوی سے تام و کامل ہو جائے گا۔ محل ناموس کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے شرعی طور پر مہر واجب ہے تو نکاح صحیح ہونے کے لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح اگر عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے (تب بھی نکاح صحیح ہے) اسی وجہ سے جو ابھی ہم نے بیان کی۔ اس مسئلہ میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے (ان کے نزدیک مہر کی نفی سے نکاح صحیح نہیں ہے)۔ مہر کی کم از کم مقدار دس درہم[1] ہیں جب کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو بیع میں قیمت بن

---

[1] مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے رسالہ "اوزان شرعیہ" کے مطابق ایک درہم کی مقدار ۲۵ 1/5 رتی ہوتی ہے۔ اس حساب سے دس درہم کی مقدار ۲۵۲ رتی یعنی ۲٫۶۲۵ تولہ ہوئی۔ اور اعشاری پیمانہ میں ۳۰٫۶۱۸ گرام ہوئی پہلے زمانہ میں درہم چاندی کا ہوتا تھا، اس لئے چاندی کی اتنی مقدار کی مالیت سے کم مہر مقرر کرنا صحیح نہیں ہے۔

سکتی ہے وہ عورت کا مہر بھی بن سکتی ہے (اگرچہ حقیر چیز ہو) کیونکہ مہر عورت کا حق ہے تو اس کی مقدار مقرر کرنا بھی عورت ہی کے ذمّہ ہے۔ ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "دس درہم سے کم کوئی مہر نہیں ہے"۔ نیز یہ (عورت کے حق کے بجائے) شریعت کا حق ہے کیونکہ یہ محل ناموس (شرمگاہ) کی شرافت و اہمیّت کے اظہار کے لئے واجب ہے تو اس کا اندازہ بھی ایسی چیز کے ساتھ ہو گا جس کی اہمیّت ہے اور وہ چیز دس درہم ہیں اس کی دلیل چوری کا نصاب ہے (کہ دس درہم یا اس کی مالیت کے بقدر کوئی چیز چوری کرنے پر ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ یہاں ایک عضو یعنی ہاتھ کا دس درہم سے مقابلہ ہے اسی طرح شرمگاہ جو کہ عضو ہے اس کا مقابلہ بھی دس درہم سے ہو گا)۔

مسئلہ:۔ اگر دس درہم سے کم مہر مقرر کیا تو اس کے لئے پورے دس درہم ہوں گے۔ یہ حکم ہمارے (ائمہ ثلاثہ کے) نزدیک ہے لیکن امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مہر مثل لازم ہو گا۔ اس لئے کہ اتنی مقدار ذکر کرنا جو کہ شرعاً مہر نہیں بن سکتی وہ مہر ذکر نہ کرنے کی طرح ہے (اور مہر ذکر نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے اسی طرح یہاں بھی لازم ہو گا)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مقدار شرعی حق کی وجہ سے فاسد ہے (کیونکہ شریعت نے دس درہم سے کم کی نفی کی ہے) اور دس درہم کا فیصلہ کر دیا ہے (اس لئے شرعی حق کی بناء پر دس درہم لازم ہوں گے) عورت کے حق کا اگر لحاظ کریں (تو اس کا حق بھی ادا ہو رہا ہے کیونکہ) وہ دس درہم سے راضی

ہوجائے گی اس لئے کہ اس سے کم میں وہ راضی ہے۔ مہر کی قلیل مقدار کو مہر
بالکل ذکر نہ کرنے پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ بسا اوقات عورت مرد کے
اکرام کی خاطر بغیر عوض کے اسے (اپنے ناموس کا) مالک بنانے پر راضی
ہوجاتی ہے لیکن اس میں قلیل مقدار پر راضی نہیں ہوتی۔

مسئلہ:۔ اگر (اسی مذکورہ صورت میں) عورت کو جماع سے پہلے طلاق
دے دی تو پانچ درہم واجب ہوں گے۔ ہمارے ائمہ ثلاثہؒ کے نزدیک
لیکن امام زفرؒ کے نزدیک متعہ (یعنی کچھ سامان) واجب ہوگا جیسا کہ مہر
بالکل ذکر نہ کرنے کی صورت میں واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے دس درہم یا اس سے زیادہ مہر مقرر کیا تو اگر اس
سے جماع کر لیا یا نکاح کے بعد فوت ہوگیا تو مہر کی مقررہ مقدار لازم ہوگی۔
کیونکہ جماع سے مہر کے بدل کی سپردگی ثابت ہوگی اور اسی وجہ سے مہر
مؤکد و یقینی ہوجائے گا۔ موت سے نکاح اپنی نہایت و انتہاء کو پہنچتا
ہے (کیونکہ موت سے پہلے طلاق کا بھی احتمال تھا، اب وہ احتمال ختم
ہوگیا) اور چیز اپنی انتہاء کو پہنچنے کے بعد ثابت و یقینی ہوجاتی ہے،
اس لئے (موت کے سبب) نکاح اپنے تمام موجبات (مہر وغیرہ) کے
ساتھ ثابت ہوجائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر عورت کو جماع سے پہلے یا (عورت کے ساتھ) مکمل
تنہائی ہونے سے پہلے طلاق دے دی تو عورت کے لئے مقررہ مقدار کا
نصف مہر واجب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اگر تم عورتوں

کو طلاق دو اس سے پہلے کہ انہیں ہاتھ لگاؤ" (البقرۃ: ۲۳۶) - (یہ آیت اگرچہ عام ہے اور قیاس کے ذریعہ اسے خاص کر سکتے ہیں لیکن) اس مسئلہ میں قیاس باہم متعارض ہیں کیونکہ یہاں شوہر ملکیت ناموس کو اپنے خلاف اپنے اختیار سے ضائع کر رہا ہے (اس لئے اس صورت میں پورا مہر لازم ہونا چاہیئے جیسا کہ خریدار کسی چیز کا سودا کرنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے ہی ضائع کر دے تو خریدار پر اس چیز کی قیمت لازم ہوتی ہے) نیز اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ جس چیز پر عقد کیا تھا (یعنی ملکیت ناموس) اسے صحیح سالم (حالت میں) عورت کو واپس کر دیا (اور اس میں کوئی تصرّف نہیں کیا۔ اس لئے اس پر کوئی مہر لازم نہیں ہونا چاہیئے جیسا کہ چیز خریدنے کے بعد قبضہ سے پہلے فسخ کرنے کی صورت میں چیز کی قیمت لازم نہیں ہوتی، تو قیاس کے تضاد کی وجہ سے) تو قرآنی حکم ہی اپنے عموم پر رہے گا۔ اس مسئلہ میں علامہ قدوریؒ نے "تنہائی سے پہلے" کی شرط لگائی ہے کیونکہ ہمارے نزدیک وہ جماع کے معنی میں ہے جیسا کہ ہم ان سے انشاء اللہ بیان کریں گے۔

مسئلہ:- علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر مقرر نہیں کیا یا مہر نہ ہونے کی شرط پر شادی کی تو اگر (شادی کے بعد) شوہر نے اس سے جماع کر لیا یا تنہائی میں اس سے مل گیا یا فوت ہو گیا تو عورت کے لئے مہر مثل لازم ہے۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ موت کی صورت میں کوئی چیز واجب

نہیں ہے لیکن ان کے اکثر اصحاب اس پر متفق ہیں کہ جماع کی صورت میں مہرِ مثل واجب ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر خالص عورت کا حق ہے، اس لئے وہ شروع ہی سے اس کی نفی کر سکتی ہے جیساکہ وہ (مہر مقرر ہونے کے بعد) آخر میں ساقط و معاف کر سکتی ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ مہر (مقرر کرنے) کا وجوب شرعی حق کی وجہ سے ہے جیساکہ اس کی دلیل گزری اور مہر باقی رہنے کے اعتبار سے یہ عورت کا حق بنتا ہے اس لئے معاف تو کر سکتی ہے لیکن اس کی ابتدا سے نفی نہیں کر سکتی۔

مسئلہ:۔ اگر (اسی صورت میں) عورت کو جماع سے پہلے طلاق دی تو اس کے لئے متعہ (جوڑا) لازم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "عورتوں کو متعہ (جوڑا) دو، فراخی والے پر اس کی گنجائش کے مطابق (دینا واجب ہے) اور تنگ دست پر اس کی گنجائش کے مطابق"۔ (البقرۃ: ۲۳۶) آیت کے حکم (اور اس کے الفاظ) کا لحاظ کرنے سے یہ متعہ واجب ہے (مستحب نہیں)۔ اس میں امام مالکؒ کا اختلاف ہے (کیونکہ ان کے نزدیک یہ دینا مستحب ہے)۔

مسئلہ:۔ متعہ عورت کی حیثیت کے مطابق لباس میں سے تین کپڑے ہیں جو کرتا، اوڑھنی اور بڑی چادر ہیں۔ یہ مقدار حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ مسئلہ کے اس قول "عورت کی حیثیت کے مطابق کپڑے" میں اس طرف اشارہ ہے کہ کپڑے کے گھٹیا و اعلیٰ وغیرہ ہونے میں عورت کے حال کا لحاظ کریں گے۔ واجب متعہ کی مقدار میں

امام کرخیؒ کا یہی قول ہے کیونکہ یہ مہر مثل کے قائم مقام ہے۔ لیکن صحیح روایت یہ ہے کہ اصل میں مرد کے حال (امیری وغریبی) کا لحاظ کیا جائے گا کیونکہ دلیل یعنی قرآن سے یہی ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وسعت والے آدمی پر اس کی وسعت کے بقدر اور تنگ دست پر اس کی تنگ دستی کے بقدر (متعہ) واجب ہے" (البقرۃ: ۲۳۶)۔ متعہ کی مالیت اس عورت کے مہر مثل کی مقدار کے نصف سے زائد اور پانچ درہم سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کی وجہ (امام محمدؒ کی) مبسوط سے معلوم کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر عورت سے شادی کی اور اس کے لئے کوئی مہر مقرر نہیں کیا۔ اس کے بعد کسی مقدار پر دونوں نے رضامندی کر لی، اگر شوہر نے اس سے جماع کر لیا یا شادی کے بعد مر گیا تو عورت کو وہ مقدار ملے گی جس پر وہ دونوں بعد میں راضی ہوئے لیکن اگر جماع سے پہلے طلاق دی تو اس کے لئے متعہ ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق (شادی کے بعد جو) مہر مقرر ہوا ہے اس کا نصف ہوگا یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اس لئے کہ یہ مہر مقرر ہو گیا تو قرآن کی رو سے اس کا نصف ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (شادی کے بعد) مہر مقرر کرنا اس چیز کی تعیین کے لئے ہے جو عقد نکاح سے واجب ہوئی ہے جو کہ مہر مثل ہے (یعنی نکاح میں اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ اس لئے شادی کے بعد مہر کی جس مقدار پر وہ راضی ہوئے یہ مہر مثل کی تعیین کی ہے) اور مہر مثل آدھا نہیں ہوتا تو اسی طرح جو چیز مہر مثل کے قائم مقام ہو وہ بھی آدھی نہیں ہوگی۔

قرآن کی آیت میں مقررہ مہر کے آدھے سے مراد وہ مہر ہے جو عقد نکاح میں مقرر کیا گیا ہو، اس لئے کہ عُرف عام میں اسی کو مقررہ مہر کہتے ہیں۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا: اگر عقدِ نکاح کے بعد شوہر نے مہر کی مقدار میں اضافہ کر دیا تو یہ اضافہ اس پر لازم ہو گا (اور بیوی اس کا مطالبہ کر سکتی ہے)۔ مصنفؒ نے فرمایا: امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ اسے ہم تفصیل سے انشاء اللہ (کتاب البیوع میں) قیمت اور چیز کے اضافہ کے بیان میں بیان کریں گے۔ جب اضافہ کرنا صحیح ہے تو اگر جماع سے پہلے طلاق دی تو یہ اضافہ ساقط ہو جائے گا۔ لیکن امام ابو یوسفؒ کے پہلے قول کے مطابق اس اضافہ کو اصل کے ساتھ ملا کر کل مہر کا نصف کریں گے۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک مہر کو نصف کرنا اسی مہر کے ساتھ خاص ہے جو عقد میں مقرر کیا ہو (کیونکہ عُرف میں وہی مراد ہوتا ہے) جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقد کے بعد مقرر کرنا اسی طرح ہے جس طرح عقد میں مقرر کرنا جیسا کہ اس اختلاف کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مہر مقرر ہونے کے بعد عورت نے مہر میں کمی کر دی تو یہ کمی کرنا صحیح ہے۔ کیونکہ مہر عورت کا حق ہے اور مہر باقی رہنے کی حالت میں اس میں سے کمی کر سکتے ہیں (لیکن عورت ابتداء میں اس کی نفی نہیں کر سکتی)۔

مسئلہ:۔ اگر شوہر و بیوی تنہائی میں اس حال میں جمع ہوئے کہ وہاں

جماع کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے (لیکن مرد نے جماع نہیں کیا) پھر تنہائی کے بعد طلاق دے دی تو عورت کو کامل مہر ملے گا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نصف مہر ملے گا کیونکہ جس پر عقد ہوا ہے (یعنی ناموس کے منافع) وہ جماع ہی سے حاصل ہوں گے۔ اس لئے جماع کے بغیر مہر یقینی نہیں ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (تنہائی میں) عورت نے مہر کا بدل اس طرح حوالے کر دیا کہ جماع کی رکاوٹوں کو دور کر دیا اور عورت کی طاقت میں یہی ہے، اس لئے مہر میں اس کا حق یقینی ہو جاتے گا جیسا کہ بیع کا یہ حکم ہے (کہ اگر بائع کوئی چیز سودا کرنے کے بعد خریدار کے سامنے رکھ دے اور خریدار و چیز کے درمیان کی تمام رکاوٹیں دور کر دے تو بائع چیز کی قیمت کا حقدار ہو جاتا ہے خواہ خریدار اس پر قبضہ نہ کر سکے)۔

مسئلہ:۔ اگر میاں بیوی میں سے (تنہائی میں) کوئی ایک مریض ہو یا رمضان کا روزہ دار ہو یا حج فرض یا نفل یا عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہے یا عورت حائضہ ہے تو یہ صحیح تنہائی معتبر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر اس تنہائی کے بعد طلاق دے دی تو عورت کے لئے نصف مہر ہوگا۔ کیونکہ یہ تمام اشیاء جماع میں رکاوٹ ہیں۔ بیماری سے مراد وہ مرض ہے جو جماع میں رکاوٹ ہو یا جماع کی وجہ سے نقصان و تکلیف پہنچے۔ کسی نے کہا ہے کہ مرد کسی بھی بیماری میں مبتلا ہو تو وہ سست و لاغر ہوتا ہے (اور طبیعت میں نشاط نہیں ہوتا جس کی بناء پر وہ جماع نہیں کرتا اگرچہ جماع کرنے کی قدرت ہو)۔ یہی تفصیل عورت کے مرض کے بارے میں ہے۔ رمضان کا روزہ

اس لئے رکاوٹ ہے کہ اس کو توڑنے سے قضاء وکفارہ (یعنی مزید متواتر ساٹھ روزے) بھی لازم ہوتا ہے۔ احرام اس لئے رکاوٹ ہے کہ حالتِ احرام میں جماع کرنے سے قربانی لازم ہوگی، حج فاسد ہوجائے گا اور اس کی قضاء بھی لازم ہوگی۔ حیض طبعی و شرعی اعتبار سے رکاوٹ ہے۔

مسئلہ:۔ اگران میں سے کسی ایک کا نفلی روزہ ہے تو کامل مہر لازم ہوگا۔ کیونکہ کتاب منتقیٰ کی روایت کے مطابق بغیر عذر کے نفلی روزہ توڑ سکتے ہیں۔ کامل مہر لازم کرنے میں یہی روایت صحیح ہے۔ ایک روایت کے مطابق قضاء اور نذر کا روزہ بھی نفلی روزہ کے حکم میں ہے (کہ خلوتِ صحیحہ میں مانع نہیں ہے) کیونکہ اس (کی قضاء) میں کفارہ نہیں ہے۔ نماز روزہ کی طرح ہے کہ جو فرض روزہ کا حکم ہے وہی فرض نماز کا حکم ہے اور جو نفلی روزہ کا حکم ہے وہی نفلی نماز کا حکم ہے۔

مسئلہ:۔ جس کا آلہ تناسل کٹا ہوا ہو اگر تنہائی میں وہ اپنی بیوی سے ملا اس کے بعد طلاق دے دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کے لئے کامل مہر ہے۔ لیکن امام ابویوسفؒ و محمدؒ فرماتے ہیں کہ مرد پر نصف مہر لازم ہے کیونکہ یہ تو مریض سے بھی زیادہ عاجز ہے۔ نامرد کا حکم مختلف ہے (کہ اگر اس نے خلوت کی تو سب کے نزدیک کامل مہر لازم ہوگا) کیونکہ حکم کا مدار آلہ کی سلامتی پر ہے (اور نامرد کا آلہ سالم ہوتا ہے)۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس کا آلہ کٹا ہوا ہے اس کی بیوی کے ذمہ یہ ہے کہ شوہر کو اپنی ناموس سے مساس وغیرہ کرنے دے اور اس نے اس طرح کرنے کی صورت

پیدا کر دی (کہ تنہائی میں اس کے ساتھ جمع ہو گئی اس لئے کامل مہر کی مستحق ہو گی)۔

مسئلہ: امام محمدؒ نے فرمایا: ان تمام مسائل میں (طلاق کے بعد) عورت کے ذمہ عدّت لازم ہے۔ یہ حکم بطورِ احتیاط و استحسان لازم ہے۔ کیونکہ اس کا وہم ہے کہ عورت حاملہ ہو گئی ہو اور عدّت جس طرح شرعی حق ہے اسی طرح بچہ کا بھی حق ہے[1] اس لئے دوسرے کا حق باطل کرنے میں اس (کے قول حاملہ نہ ہونے) کی تصدیق نہیں ہو گی۔ مہر کا حکم اس سے مختلف ہے (کہ خلوت غیر صحیحہ میں نصف مہر واجب ہے) کیونکہ مال واجب کرنے میں احتیاط نہیں کی جاتی۔ علامہ قدوریؒ نے اپنی شرح میں ذکر کیا ہے کہ اگر رکاوٹ شرعی ہے تو عدّت واجب ہو گی کیونکہ جماع کی قدرت دینا حقیقت میں ثابت ہے (اس لئے احتمال ہے کہ شرعی حکم کے خلاف اس نے جماع کر لیا ہو) اور اگر حقیقی و طبعی رکاوٹ ہو جیسے مرض یا بچپنہ تو عدت واجب نہیں ہو گی کیونکہ حقیقت میں قدرت دینا ثابت نہیں ہے۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا: ہر طلاق شدہ عورت کو متعہ (یعنی جوڑا) دینا مستحب ہے سوائے اس عورت کو جسے اس کے شوہر نے جماع

---

[1] یعنی عدّت کا ثبوت اس لئے بھی ہے کہ پیٹ میں جو بچہ ہے اس کے ساتھ کسی دوسرے کا پانی نہ ملے اور بچہ خالص ایک باپ کا ہو۔ اس لئے حاملہ ہونے کے احتمال پر عورت کے قول کی تصدیق نہیں ہو گی کہ میں حاملہ نہیں ہوں۔ کیونکہ اس تصدیق سے دوسرے کا حق باطل ہوتا ہے۔

سے پہلے طلاق دی اور اس کے لئے (عقد میں) مہر مقرر کر لیا تھا۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ سوائے اس کے ہر طلاق شدہ عورت کو متعہ دینا واجب ہے۔ کیونکہ شوہر کی جانب سے بطورِ عطیہ واجب ہے، اس لئے کہ اس نے عورت کو جدا کر کے وحشت (و پریشانی) میں مبتلا کر دیا مگر اس مستثنیٰ صورت میں (متعہ واجب نہیں ہے کیونکہ) نصف مہر متعہ کے درجے میں ہے (جو کہ بطور احسان دیا جاتا ہے) کیونکہ اس حالت میں طلاق فسخ ہے (اس لئے کہ عورت نے شوہر کو کچھ نہیں دیا تو اسے کچھ نہیں ملنا چاہیئے لیکن بطور احسان نصف مہر دیا جاتا ہے اور متعہ بھی احسان ہے اس لئے) متعہ مکرر نہیں ہوتا۔ ہماری دلیل یہ ہے جو عورت اپنے آپ کو (نکاح کے لئے بغیر مہر کے) سپرد کر دیتی ہے اس کے حق میں متعہ مہر مثل کا نائب ہے اس لئے کہ جماع سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل ساقط ہو گیا اور متعہ واجب ہو گیا عقد نکاح عوض (یعنی مہر مثل کو) واجب کرتا ہے (اب مہر مثل کے بدلہ متعہ ہے) اس لئے متعہ نائب ہے اور نائب و اصل یا اصل میں سے بعض ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے (اصل کامل مہر اور اس کا بعض نصف مہر ہے) اس لئے مہر میں سے کچھ بھی واجب ہونے کی حالت میں متعہ واجب نہیں ہوگا۔ (امام شافعیؒ کی دلیل وحشت کا جواب یہ ہے کہ) وحشت میں ڈالنے میں وہ مجرم نہیں ہے (کیونکہ شریعت کی طرف سے اسے اجازت ہے) اس لئے طلاق کے سبب تاوان لاحق نہیں ہوگا اور متعہ احسان کی قسم میں سے ہوا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنی بیٹی کی شادی اس شرط پر کرائی کہ شادی کرنے والا اپنی بیٹی یا بہن سے اس کی شادی کرائے گا تاکہ ہر ایک عقد دوسرے عقد کا عوض (یعنی مہر) بن جائے تو یہ دونوں عقد جائز ہیں اور ہر ایک عورت کے لئے مہر مثل ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہو جائیں گے کیونکہ اس نے نصف ناموس کو مہر اور نصف ناموس کو منکوحہ مقرر کیا ہے اور اس باب (یعنی نکاح) میں اشتراک نہیں ہوتا اس لئے ایجاب نکاح باطل ہو گیا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اس نے ایسی چیز کو مہر مقرر کیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اس لئے عقد تو صحیح ہو جائے گا (کیونکہ مہر کے بغیر بھی عقد ہو جاتا ہے) لیکن مہر مثل واجب ہو گا جیسا کہ اگر شراب اور خنزیر کو مہر مقرر کرے (تو اس صورت میں بھی نکاح صحیح ہو کر مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اشتراک (کا جواب یہ ہے کہ یہاں اشتراک ہی نہیں ہے کیونکہ اشتراک) حق ثابت کئے بغیر نہیں ہوتا (اور کسی کی ناموس نکاح میں دوسرے کا حق ہی نہیں، اس لئے اشتراک بھی نہیں ہے، چنانچہ یہ شرط فاسد ہوئی اور شرطِ فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا)۔

مسئلہ:۔ اگر آزاد آدمی نے کسی عورت سے اس شرط پہ شادی کی کہ وہ عورت کی ایک سال تک خدمت کرے گا یا قرآن سکھائے گا تو (شادی صحیح ہو جائے گی اور) مہر مثل لازم ہو گا لیکن امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خدمت کی قیمت و معاوضہ مہر ہو گا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی غلام نے اپنے آقا کی اجازت سے کسی عورت سے

اس شرط پر شادی کی کہ وہ عورت کی ایک سال تک خدمت کرے گا تو یہ نکاح جائز ہے اور شوہر کی طرف سے عورت کی خدمت مہر ہو گی ۔
امام شافعیؒ پہلے مسئلہ کی دونوں صورتوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عورت کو قرآن سکھانا یا اس کی خدمت کرنا مہر ہے ۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک جو چیز بھی شرط کی وجہ سے عوض و بدل بن سکتی ہے تو وہ مہر بھی بن سکتی ہے کیونکہ اسی سے ادل بدل کا معاملہ (یعنی معاوضہ) ثابت ہوتا ہے اور یہ مسئلہ اس کے مشابہہ ہو گیا کہ ایک شخص کسی عورت سے شادی کرے اور دوسرے آزاد آدمی کی رضامندی سے اس کی خدمت مہر مقرر کرے یا اس شرط پر شادی کرے کہ وہ خود بیوی کے مویشیوں کو چرائے گا ۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ (نکاح کے ذریعہ) مال کے بدلہ ہی عورت کو طلب کرنا مشروع ہے جبکہ سکھانا مال نہیں ہے نیز اسی طرح ہماری اصل کے مطابق منافع (وخدمت) بھی مال نہیں ہیں ۔ غلام کی خدمت (کا مہر بننا صحیح ہے کیونکہ وہ) مال کے بدلہ طلب کرنا ہے ، اس لئے کہ یہ اپنی جان حوالہ کرنے پر مشتمل ہے لیکن آزاد کی خدمت کی حیثیت اس طرح نہیں ہے (اس لئے وہ مال نہیں ہے) نیز یہ جائز نہیں ہے کہ نکاح کی وجہ سے عورت کو یہ حق ملے کہ اس کا آزاد شوہر اس کی خدمت کرے کیونکہ اس میں نکاح کے مقاصد کو الٹنا لازم آئے گا (کیونکہ نکاح کا شرعی و عرفی مقصد یہ ہے کہ بیوی شوہر کی خدمت کرے) (نظائر کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) شوہر کے علاوہ کسی دوسرے آزاد شخص کی رضامندی سے اس کی خدمت کو

مہر مقرر کرنے کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ اس میں اور نکاح کے مقصد میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ غلام کی خدمت کو مہر مقرر کرنے کی حیثیت بھی مختلف ہے۔ کیونکہ یہ غلام کے آقا کی اجازت و حکم سے ہے تو یہ آقا کی خدمت کرنے کے معنی میں ہے (یعنی بیوی کی خدمت گویا کہ آقا کی خدمت ہے کیونکہ آقا کے حکم سے اس نے نکاح کیا ہے)۔ بیوی کے مویشیوں کو چرانے کی خدمت کو مہر مقرر کرنے کی حیثیت بھی مختلف ہے کیونکہ یہ گھر بار کے امور انجام دینے کے درجے میں ہے (اس لئے کہ شادی کے بعد کاموں کی ذمہ داری دونوں پر ہوتی ہے) تو اس عمل اور نکاح کے مقصد میں تضاد نہیں ہے جبکہ ایک روایت میں یہ مسئلہ ممنوع بھی ہے (اس لئے نظیر نہیں بن سکتا)۔ شوہر اپنی خدمت مہر مقرر کرے اس کے بارے میں امام محمدؒ کے نزدیک اس خدمت کی قیمت واجب ہے۔ کیونکہ مہر میں مال مقرر کیا ہے (جو کہ خدمت ہے اس لئے اس کا تقرر ٹھیک ہے) مگر نکاح کے مقاصد سے تضاد کی وجہ سے شوہر یہ خدمت حوالہ کرنے سے عاجز ہو گیا (اس لئے اس کی قیمت دینی ہو گی) اور یہ مسئلہ اس کے مشابہ ہو گیا کہ کسی دوسرے کے غلام کو مہر مقرر کر کے شادی کی (تو اس صورت میں غلام کی قیمت واجب ہو گی کیونکہ غلام مہر میں ادا نہیں کر سکتا)۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک مہر مثل واجب ہے کیونکہ خدمت مال نہیں ہے، اس لئے کہ نکاح کی وجہ سے عورت کو یہ حق کسی حال میں نہیں ملتا اور یہ ایسا ہو گیا کہ جیسے شراب یا خنزیر کو مہر میں مقرر کیا

(چونکہ یہ مال نہیں ہیں تو گویا مہر مقرر نہیں کیا اس لئے مہر مثل لازم ہوگا)۔ یہ حکم اس لئے ہے کہ خدمت کا عقد کی وجہ سے قابلِ قیمت ہونا ضرورت کی وجہ سے ہے لیکن جب عقدِ نکاح سے خدمت کو حوالہ کرنا واجب نہیں ہوا تو اس کا قابلِ قیمت ہونا ظاہر نہیں ہوگا۔ اس لئے حکم اپنی اصلی حالت پر رہے گا جو کہ مہر مثل ہے۔

مسئلہ:۔ اگر ایک ہزار روپے مہر پر شادی کی (اور مہر ادا کر دیا) عورت نے قبضہ کرنے کے بعد یہی ایک ہزار روپے شوہر کو ہبہ کر دیئے، شوہر نے اس سے جماع کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دی، تو شوہر بیوی سے پانچ سو روپے کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ (کیونکہ جماع سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں نصف مہر لازم ہوتا ہے اور شوہر نے کامل مہر ادا کر دیا تھا اس لئے نصف کی واپسی کا مطالبہ کرے گا۔ اعتراض ہوا کہ عورت نے تو اسے وہ تمام رقم واپس کر دی تھی تو اس کا جواب دیا کہ) اس لئے کہ ہبہ کی وجہ سے شوہر کے پاس وہی چیز نہیں پہنچی جس کا وہ حق رکھتا ہے، کیونکہ روپے پیسے معاملہ کرنے اور فسخ کرنے میں متعین نہیں ہوتے۔ اسی طرح اگر مہر تول والی یا وزن والی ایسی چیز ہو جو کہ ذمہ میں ہے (ابھی سامنے نہیں ہے) تو یہی حکم ہے کیونکہ یہ بھی متعین نہیں ہوئے۔

اگر عورت نے ان ہزار پر قبضہ کئے بغیر شوہر کو ہبہ کر دیئے پھر شوہر نے جماع کرنے سے پہلے اسے طلاق دے دی تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مطالبہ نہیں کر سکتا۔ از روئے قیاس شوہر بیوی سے نصف

مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے، یہی قول امام زفرؒ کا ہے۔ کیونکہ عورت کی جانب سے بری کرنے کی وجہ سے مہر شوہر کے حوالہ کر دیا گیا (شوہر نے خود مطالبہ نہیں کیا) اس لئے جماع سے پہلے طلاق کی وجہ سے جس نصف مہر کا وہ مستحق ہے اس سے بری نہیں ہوگا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے طلاق کی وجہ سے جس کا شوہر مستحق ہے بعینہ وہی چیز اسے پہنچ گئی جو کہ ذمہ سے نصف مہر کی براءت ہے (اگرچہ اس کا سبب مختلف ہے لیکن) مقصد کے حصول کے وقت سبب کے اختلاف کی پرواہ نہیں ہوتی۔

اگر عورت نے پانچ سو روپے پر قبضہ کیا پھر تمام مہر یعنی ہزار روپے جو کہ کچھ قبض شدہ اور کچھ غیر قبض شدہ ہیں شوہر کو ہبہ کر دیئے یا بقیہ پانچ سو ہبہ کر دیئے۔ اس کے بعد شوہر نے اسے جماع سے پہلے طلاق دے دی تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے کسی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شوہر عورت سے قبض شدہ مہر کے نصف کا مطالبہ کرے گا، بعض مہر کے حکم کو کل مہر کے حکم پر قیاس کیا ہے۔ نیز بعض مہر ہبہ کرنا ساقط کرنے کی طرح ہے تو ابتدائی عقد سے لاحق ہو جائے گا (گویا کہ شروع ہی میں پانچ سو روپے مہر مقرر ہوا ہے اور اس نے یہ ادا کر دیئے اس لئے اس کے نصف کا مطالبہ کرے گا)۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کا مقصد حاصل ہو گیا جو کہ بغیر عوض کے نصف مہر کا حوالہ ہونا ہے تو طلاق کے وقت مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ (صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ) نکاح میں مہر ساقط کرنا ابتدائی عقد سے لاحق

نہیں ہوتا۔ کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ اصل مہر میں اضافہ اصل مہر سے لاحق نہیں ہوتا یہاں تک کہ اس اضافہ کا نصف بھی نہیں کیا جاتا۔

اگر بیوی نے اصل مہر کے نصف سے کم مہر شوہر کو ہبہ کیا اور بقیہ پر قبضہ کر لیا تو (جماع سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں) امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک شوہر بیوی سے نصف مہر پورا کرنے کا مطالبہ کرے گا جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک قبض شدہ مہر کے نصف کا مطالبہ کرے گا۔

اگر کسی سامان کو مہر بنا کر شادی کی، بیوی نے اس پر قبضہ کیا یا نہیں کیا لیکن شوہر کو وہ سامان ہبہ کر دیا۔ اس کے بعد شوہر نے جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی تو شوہر اس سے کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ قیاس کی روشنی میں حکم یہ ہے کہ سامان کی نصف قیمت کا مطالبہ کرے گا اور یہی امام زفرؒ کا قول ہے کیونکہ جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں اصل مہر کے نصف کی واپسی واجب ہوتی ہے جیسا کہ اس کی تقریر (سابقہ مسائل میں) گزری۔ استحسان کی رو سے دلیل یہ ہے کہ اصل میں طلاق کے وقت شوہر کا حق یہ ہے کہ عورت نے جو (کامل) مہر قبضہ کر لیا ہے اپنی طرف سے اس کا نصف شوہر کے حوالہ کر دے اور مذکورہ صورت میں شوہر کو اس کا حق پہنچ چکا ہے۔ اس کی دلیل کہ شوہر کو مہر کا نصف ہی پہنچا ہے یہ ہے کہ (اگر طلاق نہ ہوتی تو) اس سامان کے بدلہ کوئی اور چیز عورت کو دینا بالاتفاق شوہر پر واجب نہیں ہے لیکن اگر مہر روپے کی صورت میں اس کے ذمہ ہے تو اس کی حیثیت مختلف ہے (کہ شوہر جماع سے پہلے طلاق کی صورت

میں نصف مہر کا مطالبہ کر سکتا ہے) لیکن اگر مہر (سامان ہو اور عورت وہ سامان شوہر کو ہبہ کرنے کے بعد) اس سے خرید لے تو اس کا حکم سابقہ مسئلہ سے مختلف ہے (کہ شوہر نصف مہر کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے) کیونکہ شوہر کے پاس مہر کا بدل پہنچا ہے (اصل مہر نہیں پہنچا)۔

مسئلہ:۔ اگر کوئی حیوان یا سامان اپنے ذمہ میں مہر مقرر کرکے عورت سے شادی کی (پھر عورت نے وہ مہر شوہر کو ہبہ کر دیا اور شوہر نے جماع سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی) تو اس میں بھی وہی جواب ہے (یعنی شوہر کسی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا) کیونکہ شوہر کے قبضہ میں جو ہے وہی (طلاق کی صورت میں) واپسی کے لئے متعین[1] ہے (سوال ہوا کہ وہ جانور یا سامان تو شوہر کے قبضہ میں فی الحال نہیں ہے اور اس میں ابہام بھی ہے تو یہ کیسے متعیّن ہوگیا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) یہ اس لئے کہ نکاح میں تھوڑا بہت ابہام قابل برداشت ہے (اس لئے ابہام کی صورت میں بھی وہ متعین ہو جائے گا) اور جب وہ متعین ہو گیا تو گویا مہر اسی پر مقرر ہوا تھا۔

مسئلہ:۔ اگر شادی میں ایک ہزار روپے مہر مقرر کیا اس شرط پر کہ وہ

---

[1] یعنی اگر شوہر مہر کی مقررشدہ چیز دے دیتا تو جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں اسی کا نصف واپس ملتا۔ اور وہی چیز شوہر کے ذمہ ہے اس لئے گویا اس کے قبضہ میں ہے اور وہ نصف مہر کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یہ حکم صرف نکاح میں ہے کہ اس میں ابہام قابل برداشت ہے لیکن خرید و فروخت میں ابہام قابل برداشت نہیں ہے۔ اس کے احکام مختلف ہیں۔

اسے شہر سے باہر لے کر نہیں جائے گا یا اس پر دوسری شادی نہیں کرے گا (یعنی ایک ہزار کے ساتھ یہ شرط بھی ہے) اگر اس نے شرط پوری کی تو عورت کے لئے مقررہ مہر ہے۔ کیونکہ اس ہزار میں مہر بننے کی صلاحیت ہے اور اور اس پر عورت کی رضامندی بھی پوری ہو گئی۔ اگر شوہر نے (وعدہ خلافی کی اور) اس پر دوسری شادی کر لی یا اسے شہر سے باہر لے گیا تو اس صورت میں اس کے لئے مہرِ مثل (یعنی اس کے قابل مہر) ہوگا۔ کیونکہ شوہر نے ایسی چیز کو نفع مقرر کیا تھا جس میں اس کا فائدہ تھا، جب اس کا فائدہ فوت ہو گیا تو ایک ہزار پر اس کی رضامندی بھی فوت ہو گئی، اس لئے اس کے مہرِ مثل کو پورا کیا جائے گا جس طرح کہ ایک ہزار روپے مہر کی شرط کے ساتھ احترام و ہدیہ کو بھی مقرر کرنا (اس صورت میں بھی یہی حکم ہوتا ہے)۔

مسئلہ:۔ اگر شادی کی اس شرط پر کہ اگر اس شہر میں رہے گا تو ایک ہزار روپے مہر اور اگر شہر سے باہر لے جائے گا تو دو ہزار روپے مہر۔ تو اگر شہر میں رہا تب ایک ہزار مہر ہوگا اور اگر شہر سے باہر لے گیا تو عورت کے لئے اس کا مہر مثل ہوگا جو کہ دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگا اور ایک ہزار سے کم نہیں ہوگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں حتیٰ کہ اگر شہر میں رہا تو عورت کے لئے ایک ہزار اور اگر شہر سے باہر لے گیا تو دو ہزار ہوں گے۔ ان کے بالمقابل امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور اس کے لئے مہر مثل ہوگا جو کہ ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کی دلیل کرایہ کے

احکام کے باب میں اس مسئلہ کے تحت ہے کہ درزی سے کہا کہ اگر آج سی دوگے تو ایک درہم اور اگر کل سی کر دوگے تو آدھا درہم دوں گا۔ وہاں ہم اسے انشاء اللہ بیان کریں گے۔

مسئلہ:۔ اگر شادی کی اس شرط پر کہ یہ غلام یا یہ غلام مہر ہے۔ (نکاح کرنے کے بعد) ان دو غلاموں میں سے ایک ادنیٰ نکلا اور دوسرا اعلیٰ۔ تو اگر عورت کا مہر مثل ادنیٰ غلام کی قیمت سے کم ہے تو اس کے لئے ادنیٰ غلام ہوگا اور اگر مہر مثل اعلیٰ غلام کی قیمت سے بھی زیادہ ہے تو اس کے لئے اعلیٰ غلام ہوگا اور اگر ان دونوں کی قیمتوں کے درمیان میں ہے تو اس کے لئے مہر مثل ہے۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے جب کہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ ان تمام صورتوں میں اس کے لئے ادنیٰ غلام ہے۔ اگر اس نے جماع سے پہلے طلاق دے دی تو بالاجماع اس کے لئے ان تمام صورتوں میں ادنیٰ غلام کی قیمت کا نصف ہوگا۔ پہلے مسئلہ میں صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ مہر مثل کی طرف اس وقت رجوع کرتے ہیں جب مقررہ مہر واجب کرنا مشکل ہو جاتے حالانکہ یہاں ادنیٰ غلام کو واجب کرنا ممکن ہے، کیونکہ (اکثر و اقل کے اختلاف کی صورت میں) اقل تو یقینی ہوتا ہے (اس لئے یہی متعین ہو جائے گا) اور یہ مسئلہ مال کے بدلہ خلع لینا اور غلام آزاد کرنے کے مسئلہ کے مشابہہ ہو گیا[1] (اور وہاں یہی حکم ہے جو ہم نے یہاں

---

[1] مثلاً بیوی نے شوہر سے کہا کہ میں اس غلام یا اس غلام کے بدلہ خلع لیتی ہوں، یا غلام نے اپنے آقا سے اس طرح کہا اور دونوں غلاموں کی قیمت میں فرق ہے تو ادنیٰ درجہ کا غلام خلع یا آزادی کے بدل کے لئے متعین ہو جائے گا۔

بیان کیا۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل میں مہرِ مثل ہی واجب ہے کیونکہ وہ زیادہ قرینِ انصاف ہے اور اسے اسی وقت چھوڑا جاتا ہے جب کہ مقررہ مہر صحیح ہو حالانکہ اس مسئلہ میں مقررہ مہر ابہام کی وجہ سے فاسد ہو گیا (اس لئے اصل یعنی مہر مثل واجب ہو گا)۔ خلع لینے اور آزاد کرنے (کا جواب یہ ہے کہ اس) کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ وہاں اصل میں بدل کے لئے پہلے سے کوئی چیز واجب نہیں ہے (تو مقررہ بدل ہی کو ٹھیک کیا جائے گا۔ اعتراض ہوا کہ تینوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہونا چاہیئے تھا، اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) مگر یہ کہ مہر مثل جب مقررہ میں سے اعلیٰ سے زیادہ ہوا تو یہاں مقررہ اعلیٰ مہر اس لئے واجب ہے کہ عورت مہر مثل سے کمی پر راضی ہو گئی اور جب مہرِ مثل مقررہ میں سے ادنیٰ سے کم ہوا تو مقررہ ادنیٰ اس لئے واجب ہے کہ شوہر مہر مثل سے زیادہ دینے پر راضی ہو گیا۔ جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں ادنیٰ غلام واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس جیسے یعنی نکاح فاسد میں جماع سے پہلے طلاق کی صورت میں متعہ (جوڑا) واجب ہوتا ہے اور ادنیٰ غلام کی قیمت کا نصف عام طور پر متعہ سے زیادہ ہوتا ہے اس لئے اضافہ کی وجہ سے اس کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ:۔ اگر شادی کی اور مہر کوئی جانور مقرر کیا (مثلاً گائے یا اونٹ وغیرہ اور) اس کی صفت بیان نہیں کی (کہ اعلیٰ یا ادنیٰ وغیرہ) تو یہ مہر مقرر کرنا صحیح ہے اور عورت کے لئے اس جنس میں سے درمیانی درجہ کا

جانور ہوگا۔ شوہر کو اس میں اختیار ہے کہ جانور دے یا اس کی قیمت دے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ کا مطلب یہ ہے کہ جانور کی جنس تو بیان کی لیکن اس کی صفت بیان نہیں کی اس طرح کہ گھوڑا یا گدھا مہر مقرر کرکے شادی کی۔ اگر جانور کی جنس کا تذکرہ نہیں کیا مثلاً شادی کی اور کہا کہ جانور مہر ہے۔ تو یہ مقرر کرنا صحیح نہیں ہے، اور اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ ان کے نزدیک جو چیز تجارت میں ثمن (قیمت) نہیں بن سکتی تو وہ چیز نکاح میں مہر بھی نہیں بن سکتی کیونکہ ان میں سے ہر ایک معاوضہ ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ مالی معاوضہ ہے ایسی چیز کے بدلہ میں جو مال نہیں ہے (یعنی ناموس کے منافع) تو ہم نے نکاح کی حیثیت یہ مقرر کی کہ نکاح کرنا اپنے آپ پر ابتدائی طور پر مال لازم کرنا ہے یہاں تک کہ اگر یہ مال بالکل مبہم ہو (یعنی اس کا تذکرہ نہ ہو) تب بھی نکاح فاسد نہیں ہوگا (ہاں شوہر کے ذمہ مال واجب ہو جائے گا جس کی تعیین بعد میں ہوگی) جیسے دِیَت اور اقرار کی حیثیت[1] ہے (کہ دونوں میں اپنے اوپر مال لازم کرنا ہے)۔ اعتراض ہوا کہ جب یہ اقرار کی طرح ہے تو کسی چیز کی جنس

---

[1] شریعت نے دِیَت میں اونٹ مقرر کر دیے لیکن ان کی صفت بیان نہیں کی تو قاتل پر دِیَت واجب ہو جائے گی اور اس کی تعیین قاضی کے ذمہ ہے۔ اسی طرح کسی نے اقرار کیا کہ میرے ذمہ فلاں کے جانور ہیں اور ان کی صفت وغیرہ بیان نہیں کی تو اس کے ذمہ جانور واجب ہو جائیں گے بعد میں اس سے اس کی تعیین کا سوال ہوگا۔

مبہم ہونے کی صورت میں بھی اسے مہر مقرر کرنا صحیح ہونا چاہیئے جس طرح
مبہم چیز کا اقرار صحیح ہے۔ اس کا جواب دیا کہ) ہم نے مہر میں یہ شرط رکھی
ہے کہ وہ ایسا مال ہو جس کا درمیانی درجہ معلوم ہو کیونکہ اس میں دونوں
فریق (یعنی میاں بیوی دونوں) کی رعایت ہے اور یہ شرط اسی وقت ثابت
ہو گی جبکہ جنس معلوم ہو کیونکہ جنس ہی اعلیٰ، ادنیٰ اور درمیانے درجہ پر
مشتمل ہوتی ہے اور درمیانی درجہ ان دونوں درجوں میں بہتر ہے لیکن
جنس مبہم ہونے کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ جنسوں کے اختلاف کی
وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ کس جنس کا درمیانی درجہ مراد ہے۔ (امام
شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نکاح کو بیع پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے
کیونکہ) بیع کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ بیع کا مدار تنگی اور ٹال مٹول پر
ہے (یعنی اس میں ہر ایک اپنا نفع حاصل کرنا اور دوسرے کے حق کو
ٹالنا چاہتا ہے اس لئے ہر چیز کی تعیین ضروری ہے) جبکہ نکاح کا مدار
چشم پوشی و درگزر پر ہے (اس لئے اس میں معمولی ابہام نقصان دہ
نہیں ہے)۔ شوہر کو اختیار اس لئے ہے کہ قیمت ہی کے ذریعہ جانور
کے درمیانی درجہ کا علم ہوگا تو گویا ادا کرنے کے حق میں جانور کی قیمت
اصل ہے اور مقرر کرنے کے اعتبار سے جانور کی ذات اصل ہے (کیونکہ
اس کا نام لے کر مقرر کیا تھا) اس لئے ان دونوں کے درمیان اختیار
ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی ایسے کپڑے کو مہر مقرر کر کے شادی کی جس کی صفت

بیان نہیں کی تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مہر میں صرف کپڑے کا ذکر کیا اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا (کہ کس قسم کا کپڑا)۔ مہر مثل واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں بھی جنس میں ابہام ہے کیونکہ کپڑے کی بہت سی قسمیں و اجناس ہیں۔

اگر کپڑے کی قسم بیان کی مثلاً کہا کہ ہَرَوی کپڑا۔ تو اس کا مقرر کرنا صحیح ہے اور شوہر کو کپڑا دینے یا قیمت دینے میں اختیار رہوگا۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ (آج کل چونکہ کپڑے کی ایک قسم کی بہت سی اقسام ہیں اس لئے زیادہ تعیین کی ضرورت ہے)۔ ظاہر الروایت کے مطابق یہ حکم اس صورت میں بھی ہے کہ جبکہ کپڑے کی خوب صفت بیان کر دے (یعنی اسے کپڑا یا قیمت دینے میں اختیار ہے) کیونکہ کپڑا مثلی چیزوں میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی تول والی یا وزن والی چیز مہر مقرر کی اور اس کی جنس بیان کی، صفت بیان نہیں کی (تو اسے اختیار ہوگا) لیکن اگر اس کی جنس و صفت دونوں چیزیں بیان کر دیں تو شوہر کو اختیار نہیں ہوگا (بلکہ مقررہ چیز ضروری ہوگی) کیونکہ جس چیز کی صفت بیان کی ہے اس کا ذمہ میں ثبوت صحیح ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مسلمان نے شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کر کے شادی کی تو نکاح جائز ہے اور اس کے لئے مہرِ مثل ہے۔ کیونکہ شراب قبول کرنے کی شرط فاسد ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط لغو ہو جائے گی، بیع کی حیثیت اس سے مختلف ہے اس لئے کہ وہ شرائط فاسدہ سے باطل ہو جاتی ہے۔

لیکن نکاح میں شراب یا خنزیر مقرر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ چیزیں مسلمان کے حق میں مال نہیں ہیں۔ اس لئے مہر مثل واجب ہوگا۔

مسئلہ :۔ اگر سرکہ کے مٹکے کو مہر مقرر کرکے عورت سے شادی کی لیکن وہ شراب نکلی تو اس کے لئے مہر مثل واجب ہوگا۔ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس مٹکے (میں موجود شراب) کے وزن کے بقدر سرکہ لازم ہوگا۔ اگر شادی کی اور کہا کہ یہ غلام مہر ہے لیکن وہ آزاد تھا تو مہر مثل واجب ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ غلام کی قیمت واجب ہوگی۔ ان دونوں مسائل میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کو مال کی لالچ دی لیکن حوالہ کرنے سے عاجز ہوگیا اس لئے اس کی قیمت یا اس کی مثل واجب ہوگی اگر وہ ان چیزوں میں سے ہے جس کی مثل ہوتی ہے جیساکہ اگر مہر میں مقرر شدہ غلام حوالہ کرنے سے پہلے ہلاک ہوجائے (تو اس میں بھی قیمت واجب ہوتی ہے)۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چیز کی طرف اشارہ اور اس کا ذکر و نام دونوں جمع ہوگئے اس لئے اشارہ کا اعتبار کریں گے کیونکہ وہ مقصود یعنی چیز کی تعریف و پہچان زیادہ کرنے والا ہے۔ تو گویا کہ اس نے شادی کی اور پہلے مسئلہ میں کہا کہ یہ شراب مہر ہے اور دوسرے مسئلہ میں کہا یہ آزاد شخص مہر ہے (اور ان صورتوں میں مہر مثل واجب ہوتا ہے)۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ جس چیز کا نام لیا ہے اگر وہ اس کی جنس میں سے ہے جس کی طرف اشارہ کیا ہے تو عقد اس چیز سے متعلق ہوگا جس

کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ اشارہ کی ہوئی چیز میں مذکورہ چیز کی ذات مذکور ہے اور صفت ذات کے تابع ہے (اس لئے دوسرے مسئلہ میں مہر مثل واجب ہوگا) اور اگر مذکورہ چیز اشارہ کی ہوئی چیز کے مخالف جنس ہو تو عقد مذکورہ چیز سے متعلق ہوتا ہے کیونکہ مذکورہ چیز اشارہ کی ہوئی چیز کے مثل و مشابہ ہے لیکن اس کے تابع نہیں ہے (اس لئے پہلے مسئلہ میں سرکہ ہی واجب ہوگا۔[1] امام صاحبؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ) چیز کا ذکر کرنا اس کی تعریف تک زیادہ پہنچنے والا ہے اس اعتبار سے کہ وہ ماہیت و حقیقت کو بیان کرتا ہے جبکہ اشارہ صرف ذات کو بیان کرتا ہے۔ کیا آپ اس مسئلہ کی طرف خیال نہیں کرتے کہ اگر کسی نے کچھ نگینے (موتی) یاقوت کہہ کر خریدے لیکن وہ شیشے کے نکلے تو عقد منعقد نہیں ہوگا کیونکہ جنس مختلف ہے اور اگر سرخ یاقوت کہہ کر خریدے لیکن وہ سبز نکلے تو عقد منعقد ہو جائے گا کیونکہ جنس متحد ہے۔ ہمارے اس زیر بحث مسئلہ میں

---

[1] امام محمدؒ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز ذکر کی اور ایک طرف اشارہ بھی کیا لیکن مذکورہ چیز اور اشارہ کی ہوئی چیز میں فرق نکلا تو کسی ایک کی تعیین کے لئے یہ اصول ہے کہ اگر مذکورہ چیز اشارہ کی ہوئی چیز کی جنس سے ہو جیسے نام لیا غلام کا اور آزاد کی طرف اشارہ کر دیا، جبکہ آزاد و غلام دونوں ایک جنس یعنی انسان ہیں تو اس صورت میں اشارہ کی ہوئی چیز متعین ہوتی ہے اور اگر دونوں کی جنس میں فرق ہے جیسے نام لیا سرکہ کا اور اشارہ کیا شراب کی طرف، جبکہ دونوں کی جنس مختلف ہے تو مذکورہ چیز متعین ہوگی۔

بھی غلام و آزاد ایک جنس ہیں کیونکہ ان کے منافع میں فرق کم ہے لیکن شراب و
سرکہ دو مختلف جنس ہیں کیونکہ ان کے مقاصد میں واضح فرق ہے۔ (اس
لیئے دونوں مسئلوں کے حکم میں بھی فرق ہوگا)۔

مسئلہ:۔ اگر عورت سے شادی کی اور کہا کہ یہ دو غلام مہر ہیں۔ لیکن
ان میں سے ایک آزاد نکلا تو عورت کے لیئے صرف وہی بقیہ غلام ہوگا بشرطیکہ
اس کی قیمت دس درہم کے برابر ہو۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔
کیونکہ وہی مذکور ہے اور مذکورہ مہر کو واجب کرنا اگرچہ وہ کم ہو مہر مثل
واجب کرنے میں رکاوٹ ہے (لیکن دس درہم سے کم نہیں ہونا چاہیئے)۔
امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ عورت کے لیئے وہ بقیہ غلام اور اس آزاد کی
قیمت اگر وہ غلام ہوتا۔ کیونکہ مرد نے عورت کو پورے دو غلاموں کی لالچ
دی ہے، لیکن ان میں سے ایک کو حوالہ کرنے سے عاجز ہوگیا تو اس کی
قیمت واجب ہوگی۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں اور یہ امام ابوحنیفہؒ سے بھی
روایت ہے کہ عورت کے لیئے بقیہ غلام اور مہرِ مثل کی بقیہ رقم ہے اگر مہرِ
مثل بقیہ غلام کی قیمت سے زیادہ ہو۔ اس لیئے کہ اگر وہ دونوں (اشارہ
کیئے ہوئے اشخاص) آزاد ہوتے تو امام محمدؒ کے نزدیک پورا مہرِ مثل واجب
ہوتا، اس لیئے جب ایک غلام ہے تو غلام کے ساتھ بقیہ مہرِ مثل بھی
واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر نکاح فاسد کی صورت میں جماع سے پہلے قاضی نے
میاں بیوی کے درمیان جدائی کا فیصلہ کر دیا تو عورت کے لیئے کوئی مہر

نہیں ہے۔ کیونکہ اس نکاح میں مہر صرف عقدِ نکاح کی وجہ سے واجب نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ نکاح فاسد ہے، مہر تو صرف ناموس کے منافع حاصل کرنے کی وجہ سے واجب ہوگا۔ یہی حکم خلوتِ صحیحہ کے بعد بھی ہے (یعنی مہر نہیں ہوگا) کیونکہ (نکاح فاسد کے بعد) خلوت میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عورت نے مرد کو جماع کی اجازت دے دی (اور تمام موانع ختم کردیئے، کیونکہ اس نکاح میں جماع حرام ہے)۔ اس لئے یہ خلوت بھی جماع کے قائم مقام نہیں ہوگی۔ اگر (نکاح فاسد کی صورت میں) مرد نے جماع کرلیا تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا جو کہ ہمارے نزدیک مذکورہ مہر سے زیادہ نہ ہو۔ لیکن امام زفرؒ اس سے اختلاف کرتے ہیں وہ نکاح کو بیع فاسد پر قیاس کرتے ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جو فائدہ شوہر نے حاصل کیا ہے وہ مال نہیں ہے اور اس فائدہ کی صرف اس وقت قیمت لگائی جاتی ہے کہ مہر مذکور ہو، اس صورت میں اگر وہ مہر مثل سے زیادہ ہوجائے تو یہ اضافہ واجب نہیں ہے کیونکہ اتنا مقرر کرنا و ذکر کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مہر مثل سے کم ہوجاتے تو اس مذکورہ مہر میں (مہرِ مثل کے برابر کرنے کے لئے) اضافہ واجب نہیں ہے کیونکہ اس اضافے کو مقرر نہیں کیا لیکن بیع کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ وہ خود قابلِ قیمت مال ہے اس لئے اس کے ذریعہ قیمت کا اندازہ کیا جائے گا۔

مسئلہ:۔ نکاح فاسد میں جدائی کے بعد عورت پر عدت واجب ہے۔ احتیاط کے مقام میں شبہ کو حقیقت کے ساتھ لاحق کرنے (ملانے)

اور نسب میں اشتباہ سے بچنے کے لئے یہ حکم ہے۔ اس کی ابتدا جدائی کے وقت سے ہوگی، آخری جماع کے بعد سے نہیں ہوگی۔ یہی صحیح ہے کیونکہ عدت نکاح کے شبہہ کی وجہ سے واجب ہوتی ہے اور نکاح جدائی کرنے سے ختم ہو جاتا ہے (اس لئے جدائی کے وقت کا اعتبار ہے)۔ (اگر بچہ پیدا ہو جائے تو) اس کے بچہ کا نسب ثابت ہوگا۔ کیونکہ نسب کو ثابت کرنے میں احتیاط کی جاتی ہے تاکہ بچہ کو (کامل طور پر) زندہ کیا جائے (کیونکہ جس بچہ کا نسب ثابت نہ ہو وہ مُردہ کے درجہ میں ہے) اس لئے نسب اس نکاح پر بھی مرتب ہو جائے گا جو کسی درجہ میں ثابت ہے۔ نسب کی مدت کو جماع کے وقت سے شمار کریں گے۔ یہ حکم امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔ اسی پر فتوای ہے۔ کیونکہ اصل میں نکاح فاسد جماع کے لئے داعی نہیں ہے اور نکاح کو داعی معتبر کر کے جماع کے قائم مقام کیا جاتا ہے (اس لئے نکاح کے بجائے جماع اصل ہوگا)۔

مسئلہ:۔ عورت کا مہر مثل اس کی بہنوں، پھوپھیوں اور چچیری (یعنی دادھیال کی) بہنوں کے مہر سے مقرر ہوتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس عورت کے لئے اس جیسی عورتوں کے مہر کی طرح مہر ہوگا نہ اس میں کمی ہوگی اور نہ اضافہ۔ یہ لڑکیاں عورت کے والد کے قریبی رشتہ دار ہیں نیز انسان اپنے باپ کی قوم کی جنس کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کسی چیز کی قیمت اس کی جنس کی قیمت میں غور کر کے معلوم کی جاتی ہے۔

لڑکی کی والدہ اور اس کی خالہ جب اس کے والد کے خاندان سے نہ ہوں تو ان کے مہر پر لڑکی کے مہر کو قیاس نہیں کریں گے۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ اگر اس کی والدہ اس کے والد کے خاندان سے ہو مثلاً والد کی چچیری بہن ہو تو اس وقت اس کی والدہ کے مہر پر قیاس کریں گے۔ کیونکہ اس کی والدہ اس کے والد کے خاندان سے ہے۔

مہر مثل میں اس کا بھی اعتبار کریں گے کہ دو عورتیں عمر، خوبصورتی، مال، عقل، دینداری، شہر اور زمانہ کے لحاظ سے بھی برابر ہوں (صرف رشتہ داری ہی کافی نہیں ہے)۔ کیونکہ ان اوصاف کے اختلاف سے مہر مثل مختلف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شہر اور زمانہ کے اختلاف سے بھی بدل جاتا ہے۔ مشائخ نے کہا کہ کنوارپن میں بھی برابری کا اعتبار کریں گے، کیونکہ کنوارپن اور بیوگی سے بھی مہر مختلف ہو جاتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر (نابالغ لڑکے یا بالغ لڑکی کا) ولی یعنی سرپرست مہر کا ضامن ہو گیا تو اس کی ضمانت صحیح ہے۔ کیونکہ اس میں کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنے (و ذمہ داری لینے) کی اہلیت ہے اور اس نے اس ذمہ داری کو ایسی چیز کی طرف منسوب کیا ہے جو ذمہ داری کو قبول کر لیتی ہے (یعنی مہر کی ذمہ داری لی جا سکتی ہے)، اس لئے یہ ضمانت صحیح ہے۔ اس کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ مہر کا مطالبہ اپنے شوہر سے کرے یا سرپرست سے۔ تمام کفالتوں یعنی ضمانتوں پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم ہے (کیونکہ جو ضامن ہوتا ہے اس سے مطالبہ ہوتا ہے اور اصل

سے بھی ہو سکتا ہے)۔ سرپرست نے اگر شوہر کے حکم سے ضمانت لی تھی تو وہ مہر ادا کرنے کے بعد شوہر سے اس رقم کا مطالبہ کر سکتا ہے جیسا کہ کفالت میں یہی حکم و عمل ہے۔

اگر بیوی نابالغ ہو تب بھی مہر کی یہ ضمانت صحیح ہے لیکن اگر والد (سرپرست) نابالغ کا مال فروخت کرے اور خود قیمت کی ادائیگی کا ضامن ہو جائے تو اس کا حکم مختلف ہے (یعنی یہ صحیح نہیں ہے۔ نکاح میں نابالغ کے مہر کی ضمانت صحیح لیکن بیع میں نابالغ کے مال کی قیمت کی ضمانت صحیح نہیں، ان دونوں میں فرق کی وجہ بیان کرتے ہیں)۔ اس لئے کہ نکاح میں سرپرست کی حیثیت صرف سفیر و بیان کرنے والے کی ہوتی ہے جبکہ بیع میں سرپرست خود عاقد اور خود انجام دینے والا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس بیع کی تمام ذمّہ داریوں (یعنی قیمت کی ادائیگی، عیب دار سامان کی واپسی وغیرہ کا مطالبہ اسی سے ہوتا ہے حقوق اسی سے متعلق ہوتے ہیں امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک اس عاقد کی طرف سے خریدار کو قیمت سے بری کرنا صحیح ہے اور بچے کے بالغ ہونے کے بعد چیز کی قیمت پر خود قبضہ کر سکتا ہے (معلوم ہوا کہ ولی نابالغ بچے کی چیز بیچنے میں خود اصل ہے)۔ تو اگر بیع میں ضمان صحیح ہوگی تو وہ خود اپنی ضمانت لینے والا ہو جائے گا (حالانکہ ضمانت کا مفہوم یہ ہے کہ دوسرے کی ذمّہ داری اپنے ذمّہ لے، اس لئے یہاں ضمانت صحیح نہیں ہے) جبکہ نکاح میں والد کے لئے (نابالغہ کے) مہر پر قبضہ کرنے کی ولایت واختیار والد ہونے کے حکم سے ہے، اس

اعتبار سے نہیں ہے کہ خود اس نے معاملہ کیا ہے۔ کیا آپ نے اس مسئلہ کی طرف خیال نہیں کیا کہ لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد والد مہر پر قبضہ نہیں کر سکتا، اس لئے نابالغ لڑکی کے مہر کی ضمانت لینے میں وہ خود اپنی ضمانت لینے والا نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ عورت کو اختیار ہے کہ مہر (معجّل) لینے کے لئے شوہر کو جماع کرنے سے روک دے اور شہر سے باہر لے جانے سے بھی روک سکتی ہے۔ یعنی اس کے ساتھ سفر کرنے سے انکار کر سکتی ہے تاکہ وہ بدل (یعنی مہر) میں اپنا حق متعین کر لے جیسا کہ شوہر نے مبدل (یعنی جماع) میں اپنا حق متعین کر لیا تو یہ بیع کی طرح ہو گیا (اور بیع میں بھی بائع قیمت وصول ہونے سے پہلے خریدار سے چیز روک سکتا ہے)۔

مسئلہ:۔ شوہر بیوی کو سفر کرنے، گھر سے باہر نکلنے اور اس کے خاندان والوں کی زیارت کرنے سے منع نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اس کا سارا مہر ادا کر دے یعنی مہر معجّل، کیونکہ (شوہر کے لئے) روکنے کا حق اپنا حق (جماع) حاصل کرنے کے لئے ہے، اور حق (جماع) کا بدل ادا کرنے سے پہلے شوہر روک نہیں سکتا۔

مسئلہ:۔ اگر سارا مہر مؤخر ہو (اور شوہر نے ابھی تک جماع نہیں کیا) تو عورت شوہر کو (مہر کی ادائیگی کے لئے) جماع سے نہیں روک سکتی۔ کیونکہ اس نے خود مؤخر کر کے اپنا حق ساقط کر دیا جیسا کہ بیع میں یہ حکم ہے (اگر بائع قیمت مؤخر کر دے تو خریدار چیز پر قبضہ کر سکتا ہے)۔ اس

مسئلہ میں امام ابو یوسف کا اختلاف ہے[1]۔ اور اگر ایک دفعہ جماع کر لیا ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی جواب ہے (یعنی وہ مہر معجل کی ادائیگی کے لئے دوسری دفعہ جماع سے منع کر سکتی ہے)۔ لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ (مہر معجل کی صورت میں ایک دفعہ جماع کے بعد مہر کے لئے دوسری بار جماع سے) نہیں روک سکتی۔ یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ پہلی بار جماع عورت کی رضامندی سے ہو۔ حتیٰ کہ اگر (مہر معجل کی ادائیگی سے پہلے) عورت سے زبردستی جماع کیا گیا یا وہ نابالغ بچی تھی یا پاگل تھی (اور اس سے جماع کیا گیا) تو عورت کے لئے مہر معجل کی ادائیگی سے پہلے جماع سے روکنے کا حق بالاتفاق ساقط نہیں ہوا (یعنی وہ دوسری بار جماع سے روک سکتی ہے)۔ اسی صورت (یعنی مہر معجل کی ادائیگی سے پہلے) اگر عورت کی رضامندی سے اس کے ساتھ خلوت صحیحہ کر لی تو اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ہے (کہ ان کے نزدیک اب دوبارہ عورت جماع وغیرہ سے نہیں روک سکتی جبکہ امام صاحبؒ کے نزدیک روک سکتی ہے)۔ اسی اختلاف پر نفقہ (خرچ) کا حق مبنی ہے (کہ

---

[1] ان کے نزدیک مہر مؤخر میں بھی مہر کی ادائیگی سے پہلے جماع سے روک سکتی ہے کیونکہ نکاح کا اصلی تقاضا یہی ہے کہ جماع کے بدلہ مہر لازم ہو، جب شوہر نے مہر مؤخر کر دیا تو گویا اس نے جماع کو بھی مؤخر کر دیا لیکن بیع کا اصلی تقاضا یہ نہیں ہے کہ قیمت کی ادائیگی ہو، اس لئے نکاح کو بیع پر قیاس نہیں کر سکتے۔ فتوای امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔

امام صاحب کے نزدیک منع کرنے کی مدت میں نفقہ کی مستحق ہے کیونکہ اس کا انکار حق بجانب ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک وہ نفقہ کی مستحق نہیں ہے کیونکہ وہ اس مدت میں نافرمان ہے)۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز پر عقد ہوا تھا (یعنی حق جماع) پہلے جماع یا خلوت کے ذریعہ وہ شوہر کے حوالہ ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے اس (یعنی جماع یا خلوت) کے ذریعہ تمام مہر مؤکد و یقینی ہو جاتا ہے[1]۔ تو اس لئے اب عورت کو روکنے کا حق نہیں ہے جیسے بائع خریدار کو (قیمت کی وصولی سے پہلے) چیز حوالہ کر دے (تو اب وہ قیمت کی وصولی کے لئے خریدار کو چیز سے منع نہیں کر سکتا)۔ امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت اس چیز سے منع کر رہی ہے جو مہر کے بدلہ میں ہوتا ہے (یعنی ناموس میں تصرف) کیونکہ ہر جماع ناموس میں تصرف ہوتا ہے، اس لئے اس عضو کے احترام کو ظاہر کرنے کے لئے جماع عوض سے خالی نہیں ہوگا (اور وہ مہر کی وصولی کے لئے جماع سے روک سکتی ہے)۔ (صاحبینؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ) پہلے جماع یا خلوت سے کامل مہر کا یقینی ہونا اس لئے ہے کہ اس کے بعد جماع کا ہونا مبہم ہے (کہ ہو یا نہ ہو یا کتنا ہو) اس لئے مبہم جماع مہر کے عوض ہونے میں پہلے معلوم جماع کے مزاحم نہیں ہوگا (یعنی مہر اسی جماع کے مقابلہ میں ہوگا) پھر جب

---

[1] جماع سے پہلے اگر طلاق یا جدائی کی کوئی صورت ہو جاتے تو نصف مہر ملتا ہے یا اس سے بھی محرومی ہوتی ہے لیکن اگر شوہر نے ایک بار جماع کر لیا یا خلوت کر لی تو اب طلاق یا جدائی کی صورت میں کامل مہر لازم ہوگا۔ گویا مہر اسی جماع کے مقابلہ میں ہے۔

دوسرے جماع (کا ارادہ) پایا جائے گا تو وہ معلوم ہو جائے گا اور یہ دونوں جماع مہر کے عوض ہونے میں مزاحمت کریں گے (یعنی مہر کے بدلہ میں آئے گا اس طرح ہر دفعہ کا جماع معلوم ہوکر مزاحمت کرے گا) اور مہر تمام جماع کے مقابلہ میں ہو جائے گا (ایسا نہیں ہے کہ مہر صرف پہلے جماع کے مقابلہ میں ہے اور بقیہ جماع مفت میں ہیں) اور یہ غلام کی طرح ہوگیا کہ جب اس نے کوئی جرم کیا تو تاوان میں اسی کو دے دیا گیا پھر دوسرا تیسرا جرم کیا تو ان سب کے مقابلہ میں بھی اسی کو دیا جائے گا (اور ایک غلام تمام جرائم کے مقابلہ میں ہوگا)۔

مسئلہ:۔ عورت کو جب اس کا مہر ادا کر دیا تو اسے جہاں چاہے لے جا سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "جہاں تم رہو وہاں اپنی بیویوں کو رکھو"۔ کسی (یعنی فقیہہ ابو اللیث) نے کہا اس کے شہر کے علاوہ دوسرے شہر میں لے کر نہ جائے کیونکہ اجنبیت نقصان پہنچاتی ہے۔ شہر کے قریبی گاؤں و دیہاتوں میں اجنبیت ثابت نہیں ہوتی (یعنی وہاں لے جا سکتے ہیں)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے عورت سے شادی کی۔ پھر بعد میں مہر کی مقدار میں اختلاف ہوگیا۔ تو عورت کے مہر مثل تک کی مقدار میں عورت کا دعویٰ (قسم کے ساتھ) مقبول ہوگا اور مہر مثل سے زیادہ کی مقدار میں شوہر کا دعویٰ مقبول ہوگا[1]۔ اگر اسے جماع سے پہلے طلاق دے

---

[1] یعنی مہر مثل فیصلہ کی بنیاد ہے اگر مہر مثل پانچ ہزار روپے ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دی تو نصف مہر کی مقدار میں شوہر کا دعویٰ مقبول ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے۔ لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ طلاق سے پہلے اور بعد دونوں صورتوں میں شوہر کا دعویٰ مقبول ہے مگر یہ کہ وہ بہت تھوڑی مقدار کا دعویٰ کرے یعنی عُرفِ عام میں عورت کا اتنا کم مہر نہ ہوتا ہو۔ کمی کی یہی تفسیر صحیح ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورت اضافی مقدار کا دعویٰ کر رہی ہے اور شوہر اس کا انکار کر رہا ہے اور قاعدہ ہے کہ انکار کرنے والے کا قول قَسَم کے ساتھ مقبول ہوتا ہے مگر یہ کہ وہ ایسی چیز بیان کرے کہ ظاہر اسے جھٹلائے (تو اس وقت اس کی بات مقبول نہیں ہوگی)۔ شوہر کو مُنکر بنانے کی وجہ یہ ہے کہ ناموس کے منافع کی قیمت لگانا (اور مہر مثل کو مدار بنانا) ضرورت کے درجہ میں ہے تو جب تک مقررہ و مذکورہ مہر کو واجب کرنا ممکن ہے مہر مثل کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا (اور شوہر کو منکر بنانے میں اس طرح کرنا ممکن ہے جبکہ مدعی بنانے میں مہر مثل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ اس لئے شوہر کو منکر بنایا)۔ امام صاحبؒ و امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ دعووں میں اس کی بات مقبول ہوتی ہے جس کے لئے ظاہر حال گواہ ہو، اور ظاہرِ حال اس کے لئے گواہ ہے جس کے لئے مہر مثل گواہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
اور عورت چار ہزار مہر مقرر ہونے کا دعویٰ کر رہی ہے جبکہ شوہر تین ہزار کا تو قَسَم کے ساتھ عورت کا دعویٰ مقبول ہے اور اگر عورت سات ہزار کا دعویٰ کرے جبکہ شوہر پانچ ہزار کا تو قَسَم کے ساتھ شوہر کا دعویٰ مقبول ہے۔

ہو، اس لئے کہ نکاح کے باب میں اصل میں وہی واجب ہے اور یہ مسئلہ اس کے مشابہ ہوگیا کہ رنگریز اور کپڑے کا مالک اجرت کی مقدار میں اختلاف کریں تو اس وقت رنگ کی قیمت کو مدار بناتے ہیں (یعنی رنگے ہوئے و بے رنگ کپڑے کی قیمت کو مدار بنا کر ان کے درمیان فیصلہ کیا جاتا ہے)۔

علامہ قدوری نے یہاں یہ ذکر کیا ہے کہ جماع سے پہلے طلاق کے بعد نصف مہر میں شوہر کا قول معتبر ہے۔ اور یہی امام محمد کی جامع صغیر اور اصل کی روایت ہے جبکہ انہوں نے جامع کبیر میں یہ ذکر کیا ہے کہ اس جیسی عورتوں کے متعہ (یعنی جوڑا) کی قیمت کو مدار بنایا جائے گا اور یہ قول امام صاحب و امام محمد کے قول کے مطابق ہے کیونکہ (کچھ مقرر نہ ہونے کی صورت میں جماع سے پہلے) طلاق کے بعد متعہ واجب ہوتا ہے جیسا کہ طلاق سے پہلے (جماع کے بعد) مہر مثل واجب ہوتا ہے۔ اس لئے متعہ کو مدار بنائیں گے جیسے مہرِ مثل کو مدار بنایا۔ روایتوں کے اس اختلاف میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ امام محمد نے (اپنی کتاب) اصل میں مسئلہ ہزار و دو ہزار کی مقدار کے مطابق رکھا ہے اور عادت یہ ہے کہ متعہ کی قیمت اس مقدار تک نہیں ہوتی، اس لئے یہاں متعہ کو مدار بنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے جبکہ جامع کبیر میں مسئلہ سو اور دس کی مقدار کے مطابق رکھا ہے اور عورتوں کے متعہ کی قیمت بیس درہم تک ہوتی ہے، اس لئے اسے مدار بنانے کا فائدہ ہے۔ جامع صغیر کے مسئلہ میں مقدار کے ذکر سے سکوت ہے تو اصل میں جو ذکر کیا ہے اس کے مطابق اسے کر دیا جائے گا (کیونکہ وہی

اصل ہے)۔

نکاح ہوتے ہوئے مہر کی مقدار میں اختلاف کے وقت کہ شوہر نے ایک ہزار کا اور عورت نے دو ہزار کا دعویٰ کیا اس میں امام صاحبؒ وامام محمدؒ کے قول کی شرح یہ ہے کہ اگر عورت کا مہرِ مثل ایک ہزار یا اس سے کم ہو تو شوہر کا قول مقبول ہوگا اور اگر مہر مثل دو ہزار یا اس سے زیادہ ہو تو عورت کا قول معتبر ہوگا۔ اور ان دونوں میں سے جو بھی دونوں صورتوں میں اپنے دعویٰ پر دلیل قائم کر دے گا اسے قبول کیا جائے گا۔ اور اگر پہلی صورت میں دونوں دلیل قائم کر دیں تو عورت کی دلیل مقبول ہوگی کیونکہ وہ اضافہ کو ثابت کر رہی ہے اور دوسری صورت میں (دونوں کی دلیلوں میں سے) شوہر کی دلیل مقبول ہوگی کیونکہ وہ کم کرنے کو ثابت کر رہا ہے (اور دلیل اسی کی مقبول ہوتی ہے جو کچھ ثابت کرے)۔ اگر عورت کا مہرِ مثل ڈیڑھ ہزار ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور جب دونوں حلف (یعنی قسم) اٹھالیں گے تو ڈیڑھ ہزار واجب ہو جائیں گے۔ یہ علامہ جصاص رازیؒ کی تخریج ہے جبکہ علامہ کرخیؒ فرماتے ہیں کہ تینوں صورتوں میں پہلے دونوں حلف اٹھائیں گے پھر اس کے بعد مہر مثل کو مدار بنایا جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر مہر مقرر ہونے ہی میں اختلاف ہو جائے (ایک فریق کہے کہ مہر مقرر ہوا تھا اور دوسرا انکار کرے) تو بالاجماع مہر مثل واجب ہوگا۔ کیونکہ امام صاحبؒ وامام محمدؒ کے نزدیک وہ اصل ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک (وہ اصل تو نہیں لیکن) مقررہ کے ذریعہ فیصلہ کرنا

مشکل ہوگیا اس لئے اس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اگر یہ اختلاف کسی ایک کی موت کے بعد ہو تو اس میں بھی جواب وہی ہے جو ان کی زندگی میں تھا۔ کیونکہ مہر مثل کو معتبر ماننا کسی ایک کی موت سے ساقط نہیں ہوتا ہے۔ اگر دونوں کی وفات کے بعد مقدار میں اختلاف ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شوہر کے وارثوں کا قول معتبر ہوگا۔ انہوں نے کم مقدار کا استثناء نہیں کیا (یعنی خواہ وہ قلیل مقدار کا دعویٰ کریں تب بھی مقبول ہے)۔ امام ابویوسفؒ کے نزدیک بھی وارثوں کا قول معتبر ہے مگر یہ کہ وہ بہت قلیل مقدار کا دعویٰ کریں۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس صورت میں جواب وہی ہے جو زندگی کی حالت میں تھا۔

اگر اختلاف مہر مقرر کرنے میں ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا قول معتبر ہے جو انکار کرے۔ خلاصہ یہ کہ ان دونوں کی وفات کے بعد امام صاحبؒ کے نزدیک مہر مثل پر مدار نہیں ہے جیسا کہ بعد میں ہم انشاء اللہ اسے بیان کریں گے۔ اگر میاں بیوی دونوں کی وفات ہوگئی اور ان دونوں کا مہر مقرر ہوا تھا تو عورت کے ورثاء اس کے شوہر کی میراث سے مہر لے سکتے ہیں اور اگر مہر مقرر نہیں ہوا تھا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عورت کے ورثاء کے لئے کچھ نہیں ہے جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں عورت کے ورثاء کے لئے مہر ہے یعنی پہلی صورت میں مقررہ مہر اور دوسری صورت میں مہر مثل۔ پہلی صورت میں اس لئے کہ مقررہ مہر شوہر کے ذمہ قرض ہے اور وفات کے بعد وہ یقینی ہوگیا (یعنی نصف یا ساقط ہونے

کا احتمال نہیں رہا) ۔ اس لئے شوہر کے ترکہ میں سے ادا کیا جائے گا لیکن اگر یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کی وفات پہلے ہوئی تھی تو عورت کے ترکہ میں مرد کا جو حصہ ہے اتنی مقدار مہر میں سے ساقط ہو جائے گی ۔[1] دوسری صورت میں صاحبینؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ مہر مثل شوہر کے ذمہ قرض ہو گیا جیسے مقررہ مہر ہو جاتا ہے ، اس لئے فوت ہونے سے ساقط نہیں ہو گا جیسا کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو ساقط نہیں ہوتا ۔ اس دوسری صورت میں امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کی وفات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان کے ہم عصر و ہم مثل ختم ہو گئے ، تو کس کے مہر کے ذریعہ قاضی مہر مثل کی مقدار مقرر کرے گا ۔

مسئلہ :۔ اگر کسی نے اپنی بیوی کے پاس کوئی چیز بھیجی ۔ تو بیوی نے کہا کہ یہ ہدیہ ہے اور شوہر نے کہا کہ وہ مہر میں سے ہے تو شوہر کا قول معتبر ہو گا ۔ کیونکہ وہی مالک بنانے والا ہے تو وہ ملکیت دینے کی جہت کو زیادہ جاننے والا ہو گا اور یہ کیسے نہیں ہو گا حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اپنے قرض کو ادا کرنے وساقط کرنے کی کوشش کرے گا ۔

امام محمدؒ نے فرمایا مگر جو طعام کھایا جاتا ہے (اسے مہر بنانے میں شوہر کی بات معتبر نہیں ہو گی) بلکہ بیوی کا قول معتبر ہو گا ۔ اس سے مراد وہ طعام

---

[1] مثلاً مہر کی مقدار دس ہزار روپے تھی ۔ عورت کی وفات ہو گئی تو اگر اس کی اولاد نہیں ہے تو پانچ ہزار روپے ساقط ہو جائیں گے اور اگر اس کی اولاد بھی ہے تو ڈھائی ہزار روپے ساقط ہو جائیں گے اور شوہر کے ذمہ بقیہ رقم رہے گی ۔

ہے جو کھانے کے لئے تیار کیا گیا ہو۔ کیونکہ عرف عام میں وہ ہدیہ ہی شمار ہوتا ہے۔ لیکن گندم اور جَو کے بارے میں شوہر کا قول معتبر ہوگا (یعنی گندم یا جَو کی کچھ مقدار دے کر شوہر نے کہا کہ وہ مہر میں سے ہے اور بیوی نے کہا کہ ہدیہ ہے)۔ وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ کسی نے کہا کہ جو چیزیں شوہر کے ذمہ ہیں یعنی چادر اور قمیص وغیرہ تو (یہ چیزیں دے کر) شوہر اسے مہر میں سے شمار نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ظاہری حالت اسے جھٹلا رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل

مسئلہ :۔ اگر عیسائی مرد نے عیسائی عورت سے (مسلمانوں کے ملک میں) مُردار کو مہر مقرر کر کے شادی کی یا اس شرط پر شادی کی کہ کوئی مہر نہیں ہوگا حالانکہ یہ ان کے مذہب کے مطابق جائز ہے۔ پھر اس سے جماع کیا یا جماع سے پہلے اسے طلاق دے دی یا فوت ہوگیا تو عورت کے لئے کوئی مہر نہیں ہوگا۔ اسی طرح یہ حکم غیر مسلموں کے لئے ہے جب وہ دار الحرب یعنی کافروں کے ملک میں شادی کریں۔ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے اور کافروں کے ملک میں کافروں کے بارے میں صاحبینؒ کا بھی یہی قول ہے۔ لیکن جو کافر (عورت) دار الاسلام میں رہتی ہے (اس صورت میں اس کے لئے یہ حکم ہے کہ) اگر شوہر مر جائے یا اس سے جماع کرلے تب عورت کے لئے مہر مثل ہوگا اور اگر جماع سے پہلے طلاق دی ہے تو عورت کے لئے متعہ (یعنی جوڑا) ہوگا (جیسا کہ مسلمانوں کے لئے حکم ہے)۔ امام زفرؒ کے نزدیک کافروں کے ملک میں کافروں کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ عورت کے لئے مہرِ مثل ہوگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شریعت نے نکاح کو مال ہی کے ذریعہ مشروع کیا ہے اور شریعت کا یہ حکم عام ہے اس لئے عمومی طور پر سب کے لئے ثابت ہوگا (خواہ کسی جگہ بھی مسلمان ہو یا کافر) صاحبینؒ

کی اپنے قول کے بارے میں دلیل یہ ہے کہ جو کافر اپنے اپنے ممالک میں ہیں انہوں نے اسلامی احکام اپنے اوپر خود لازم نہیں کئے اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے ان پر لازم کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے لیکن جو کافر مسلمانوں کے ملک میں ہیں ان کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ انہوں نے (ملک میں رہنے کی وجہ سے) معاملات مثلاً سود و بدکاری کے اسلامی احکام کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور ملک ایک ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی چیز لازم بھی کر سکتے ہیں (اس لئے یہ عائلی احکام بھی ان پر لازم ہوں گے)۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسلم ملک کے کافر باشندوں نے دینداری (نماز روزہ وغیرہ) سے متعلق احکام اور معاملات میں جو احکام ان کے عقائد کے مخالف ہیں ان تمام احکامات کو اپنے اوپر خود لازم نہیں کیا (اور ہم بھی ان پر کوئی چیز لازم نہیں کر سکتے) کیونکہ لازم کرنے کا اختیار جہاد یا دلیل کے ذریعہ ہے اور یہ دونوں چیزیں مسلمان ملک کے کافر باشندوں پر نہیں ہو سکتیں کیونکہ ان سے رہائش کا معاہدہ ہو گیا ہے اور ہمیں شریعت کی جانب سے یہ حکم ہے کہ ہم انہیں ان کے دین و مذہب کے مطابق عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیں، اس لئے ان کی حیثیت کافروں کے ملک کے باشندوں کی طرح ہو گئی۔ (صاحبینؒ نے بدکاری و سود کا جو استدلال پیش کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ) بدکاری کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ وہ تمام مذاہب میں حرام ہے (اس لئے کافروں کو اس کی اجازت نہیں دیتے) اور ان کے معاہدۂ (رہائش) سے سود مستثنیٰ ہے

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "آگاہ ہو جاؤ جس نے سود لیا تو ہمارے اور اس کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے" (اس لئے سود کی بھی انہیں اجازت نہیں ہے)۔

جامع صغیر میں امام محمدؒ کا یہ فرمانا کہ مہر کے بغیر شادی کی تو اس میں مہر کی نفی اور مہر سے سکوت دونوں باتوں کا احتمال ہے۔ کسی نے کہا کہ مردار کو مہر مقرر کرنے یا مہر سے سکوت کرنے کے حکم کے بارے میں دو روایتیں ہیں (ایک روایت مندرجہ بالا ہے اور دوسری اس کے مخالف ہے کہ مہر مثل ہے) لیکن صحیح ترین قول یہ ہے کہ سب صورتوں میں اختلاف ہے۔

مسئلہ:۔ اگر مسلمان ملک کے کافر باشندے نے کافر عورت سے شراب یا خنزیر پر مہر مقرر کرکے شادی کی، اس کے بعد دونوں مسلمان ہو گئے یا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہوا تو عورت کے لئے مہر میں مقررہ شراب یا خنزیر ہوگا مطلب اس کا یہ ہے کہ جبکہ معین شراب یا معین خنزیر کو مقرر کیا ہو اور ان پر قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہو گئے ہوں۔ اگر معین نہیں کیا تھا (کہ یہ شراب یا یہ خنزیر بلکہ صرف ذکر کیا تھا) تو شراب کی صورت میں اس کی قیمت مہر ہو گی اور خنزیر کی صورت میں مہر مثل ہو گا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں (یعنی معین و غیر معین) میں مہر مثل ہو گا اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (شراب یا خنزیر کی) قیمت ہو گی۔ ان دونوں صاحبوںؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ چیز پر قبضہ کرنے سے ملکیت یقینی ہو جاتی ہے تو قبضہ عقد کے مشابہ ہو گیا (یعنی قبضہ کرنا گویا عقد کرنا

ہے) اس لئے اسلام کی وجہ سے قبضہ ممنوع ہو جائے گا جیسا کہ عقد ممنوع ہے
(یعنی جس طرح مسلمان شراب یا خنزیر کا عقد نہیں کر سکتا اسی طرح ان پر
قبضہ نہیں کر سکتا)۔ اور یہ مسئلہ اس کے مشابہ ہو گیا کہ ان دونوں کو معین
کئے بغیر مہر مقرر کیا ہو (اور اس صورت میں بالاتفاق شراب یا خنزیر مہر
نہیں ہوتا)۔ اب جبکہ قبضہ کی حالت کو عقد کی حالت سے ملا دیا تو امام ابو یوسفؒ
فرماتے ہیں کہ اگر یہ دونوں عقد نکاح کے وقت مسلمان ہوتے (اور شراب
یا خنزیر کو معین کر کے مہر مقرر کرتے) تب بھی مہر مثل واجب ہوتا تو اسی طرح
یہاں یعنی قبضہ کے وقت مسلمان ہونے کی صورت میں ہوگا۔ امام محمدؒ
فرماتے ہیں نکاح کے وقت ان چیزوں کو مہر مقرر کرنا صحیح تھا کیونکہ یہ ان
کے نزدیک مال تھا مگر مسلمان ہونے کی وجہ سے ان چیزوں کا حوالہ کرنا ممنوع
ہو گیا (کیونکہ مسلمان شراب یا خنزیر کسی دوسرے کے حوالہ نہیں کر سکتا)
اس لئے ان کی قیمت واجب ہو گی جیسا کہ اگر (عقد میں) کوئی غلام معین
کیا اور اس پر قبضہ سے پہلے وہ فوت ہو گیا (تو اس کی قیمت واجب ہوتی
ہے کیونکہ اصل حوالہ کرنے سے عاجز ہو گئے اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی
اصل حوالہ کرنے سے عاجز ہو گئے)۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ معین چیز کے
مہر میں ملکیت عقد کے ساتھ ہی پوری ہو جاتی ہے اسی بناء پر عورت (قبضہ
سے پہلے) وہ معین استعمال کر سکتی ہے (کہ اسے فروخت کر دے یا ہبہ کر
دے) اور قبضہ کرنے سے اتنا ہوتا ہے کہ چیز شوہر کی ضمان سے نکل عورت
کی ضمان میں منتقل ہو جاتی ہے اور یہ انتقالِ ضمان اسلام کی وجہ سے ممنوع نہیں ہے

جیسے غصب کی ہوئی شراب کو واپس طلب کرنا (یعنی اگر مسلمان کو وراثت میں شراب مل گئی اور کسی دوسرے نے وہ غصب کرلی تو مسلمان وہ شراب واپس لے سکتا ہے۔ اس لئے مذکورہ مسئلہ میں وہی معین چیز واجب ہوگی۔ اگر معین نہیں کیا تو اس کی حیثیت مختلف ہے کہ) غیر معین چیز پر قبضہ کرنے سے ملکیت ثابت ہوتی ہے، اس لئے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس پر قبضہ کرنا ممنوع ہوگا۔ معین خریدی ہوئی چیز کا حکم اس سے مختلف ہے (یعنی اگر کافر نے شراب یا خنزیر خریدا اور قبضہ کرنے سے پہلے مسلمان ہوگیا تو اب اس معین شراب یا خنزیر پر قبضہ نہیں کرسکتا) کیونکہ خریدی ہوئی چیز میں قبضہ کرنے کے بعد ہی تصرف کرسکتا ہے (تو گویا ملکیت پوری نہیں ہوئی اور قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہوگی لیکن مسلمان ہونے کی وجہ سے قبضہ نہیں کرسکتا)۔ (شراب یا خنزیر کو اگر مہر میں معین نہیں کیا پھر مسلمان ہوگئے تو امام صاحبؒ کے قول پر اس کے احکام کی دلیل یہ ہے کہ) جب غیر معین پر (اسلام کی وجہ سے) قبضہ کرنا مشکل و ممنوع ہوگیا تو خنزیر کی صورت میں اس کی قیمت واجب نہیں ہوگی کیونکہ خنزیر ایسی چیز ہے کہ جس کی قیمت لگائی جاتی ہے تو گویا اس کی قیمت کو لینا بعینہ اسے لینا ہے (اور خنزیر لینا ممنوع ہے اس لئے اس کی قیمت بھی ممنوع ہے) لیکن شراب کی حیثیت اس جیسی نہیں ہے (کہ اس کی قیمت واجب ہوگی) کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے کہ جب اصل نہ ہو تو اس کی مثل دوسری دی جاتی ہے (تو گویا شراب کی قیمت لینا بعینہ شراب لینا نہیں ہے) کیا آپ نے

اس مسئلہ پر غور نہیں کیا کہ اگر اسی مسئلہ میں یہی شوہر مسلمان ہونے سے پہلے (میاں بیوی کے کفر کی حالت میں معین شراب یا خنزیر کے بجائے اس کی) قیمت لائے تو اگر (معین) خنزیر پر مہر مقرر ہوا تھا (اور وہ ہلاک ہوگیا) تو عورت کو اس کی قیمت لینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر (معین) شراب مہر مقرر ہوئی تھی (اور وہ ضائع ہوگئی) تو قیمت لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا (بلکہ اس جیسی دوسری شراب ہی دینی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ قیمت خنزیر کے قائم مقام ہے لیکن شراب کے نہیں)۔

اگر مذکورہ مسئلہ میں (مسلمان ہونے کے بعد) جماع سے پہلے طلاق دے دی تو جس نے (جماع کے بعد طلاق کی صورت میں) مہر مثل واجب کیا ہے تو اس نے یہاں متعہ (یعنی جوڑا) واجب کیا ہے اور جس نے (جماع کے بعد) قیمت واجب کی ہے تو اس نے یہاں اس قیمت کا نصف واجب کیا ہے۔

---

[۱] ان مسائل میں صاحبینؒ نے معین چیز مہر ہو یا غیر معین، دونوں کا ایک حکم قرار دیا اور اسے بیع کے اصول پر قیاس کیا۔ پھر امام ابو یوسفؒ نے دونوں کو نکاح کے وقت مسلمان فرض کر کے اس پر مسائل کی تخریج کی جبکہ امام محمدؒ نے دونوں کو کافر فرض کر کے اس پر تخریج کی۔ امام ابو حنیفہؒ نے معین و غیر معین میں فرق کیا اور معین مہر و معین خریدی ہوئی چیز میں بھی فرق کیا اور ہر ایک فرق کی وضاحت کی پھر غیر معین میں شراب و خنزیر میں فرق کیا۔

غلام کے نکاح کا بیان

مسئلہ :- غلام و باندی کا نکاح ان کے آقا کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ غلام کا نکاح (اجازت کے بغیر) جائز ہے کیونکہ وہ (نکاح کے بعد) اپنی مرضی سے طلاق دے سکتا ہے تو نکاح بھی (اجازت کے بغیر) کر سکے گا۔ ہماری دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ "جس غلام نے بھی اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کی تو وہ زانی ہے"۔ نیز ان دونوں (غلام و باندی) کے نکاح کو نافذ کرنے سے ان دونوں کو عیب دار کرنا ہے کیونکہ ان دونوں کے لئے نکاح عیب ہے (کیونکہ یہ آقا کی خدمت میں مخل ہے اور اس سے ان کی قیمت میں بھی فرق آ جاتا ہے) اس لئے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر یہ دونوں نکاح نہیں کر سکتے مکاتب[1] کے لئے بھی یہی حکم ہے (کہ آقا کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کر

---

[1] مکاتب وہ غلام جو آقا کو کچھ مال دے کر آزادی چاہے۔ جب تک مطلوبہ مال ادا نہیں کرے گا آزاد نہیں ہوگا اور اس دوران تجارت کر سکتا ہے۔ مدبّر وہ غلام جس سے آقا یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔ امّ ولد وہ باندی جس سے آقا جماع کرے اور اس کے بچے پیدا ہوں۔

سکتا) ۔ کیونکہ (غلامی کی وجہ سے اس پر جو مختلف پابندیاں ہیں ان میں سے صرف) کمائی وکسب کی پابندی مکاتب بننے سے ختم ہوجاتی ہے اس لئے غلام ہونے کی بناء پر نکاح کی پابندی باقی رہے گی ۔ اسی بناء پر مکاتب اپنے غلام کی شادی (اپنی مرضی سے) نہیں کرا سکتا (کیونکہ وہ شادی نہیں کرسکتا) لیکن وہ اپنی باندی کی شادی کراسکتا ہے کیونکہ یہ بھی کمائی کا ایک طریقہ ہے (اس لئے کہ اس باندی سے جو بچے پیدا ہوں گے وہ اس کے غلام ہوں گے)۔ اسی طرح مکاتب باندی بھی آقا کی اجازت کے بغیر اپنی شادی نہیں کرسکتی اور اپنی باندی کی شادی کراسکتی ہے، وجہ وہی ہے جو ہم نے بیان کی۔ مدبر اور اُمّ ولد کے لئے بھی یہی حکم ہے ۔ کیونکہ ان دونوں میں (آقا کی) ملکیت موجود ہے ۔

مسئلہ:۔ جب غلام اپنے آقا کی اجازت سے شادی کرے گا تو مہر اسی کے ذمہ ہوگا اور مہر کی ادائیگی کے لئے اسے بیچا جائے گا ۔ اس لئے کہ یہ قرض ہے جو کہ غلام کی گردن پر واجب ہوا ہے کیونکہ قرض کا سبب اس کے اہل (یعنی عاقل و بالغ) کی جانب سے موجود ہے لیکن اس کا ظہور آقا کے حق میں ہوگا کیونکہ اسی کی اجازت سے یہ ہوا ہے تو (گویا آقا پر یہ قرض آیا اس لئے اس کے مال یعنی) غلام کی جان سے یہ متعلق ہوجائے گا (اور غلام کو اس کی ادائیگی کے لئے بیچا جائے گا) تا کہ قرض خواہوں کی مشقت دور ہو جیسا کہ (عبد ماذون کے لئے) تجارت کے قرض میں یہ حکم ہے ۔

مسئلہ:۔ مدبر اور مکاتب مہر کی ادائیگی کے لئے کمائی کریں گے

انہیں مہر کے لئے بیچا نہیں جائے گا۔ کیونکہ معاملہ کتابت و تدبیر کے باقی رکھتے ہوئے ان دونوں کو ایک ملکیت سے دوسری ملکیت کی طرف منتقل نہیں کر سکتے، اس لئے ان کی کمائی سے مہر ادا کیا جائے گا نہ کہ خود ان کی جان سے۔

مسئلہ:۔ اگر غلام نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لی پھر آقا نے کہا کہ اسے طلاق دے دو یا اس سے جدا ہو جاؤ، تو یہ نکاح کی اجازت شمار نہیں ہوگی۔ کیونکہ آقا کے اس قول میں نکاح رد کرنے کا احتمال ہے (اگرچہ لفظ طلاق کی وجہ سے اجازت کا بھی احتمال ہے کیونکہ طلاق منکوحہ کو دی جاتی ہے) اس لئے کہ نکاح کے عقد کو رد کرنے اور چھوڑ دینے کا نام ہی طلاق و مفارقت ہے اور رد کا احتمال نافرمان و ضدی غلام کے حال کے زیادہ مناسب ہے نیز یہ ادنیٰ احتمال بھی ہے۔ اس لئے آقا کے قول سے یہی احتمال مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔

مسئلہ:۔ اگر (غلام کی شادی کا سن کر) آقا نے اس طرح کہا کہ تم ایسی طلاق دو کہ جس کے بعد رجوع کر سکو تو یہ (قول آقا کی طرف سے نکاح کی) اجازت ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی صحیح نکاح ہی کے لئے ہو سکتی ہے اس لئے یہاں اجازت متعین ہو گئی۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنے غلام سے کہا کہ اس باندی سے شادی کر لو، اس نے نکاح فاسد کے ذریعہ شادی کر کے اس سے جماع کر لیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اسے مہر کے لئے بیچا جائے گا لیکن صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس

کے آزاد ہونے کے بعد اسی سے لیا جائے گا۔ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ کی اصل یہ ہے کہ ان کے نزدیک اجازتِ نکاح صحیح وفاسد دونوں کو شامل ہے، اس لئے (آقا کی اجازت کی وجہ سے) یہ مہر آقا ہی کے حق میں ظاہر ہوگا جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک اجازت صرف جائز نکاح کی طرف لوٹتی ہے کسی اور کی طرف نہیں، اس لئے نکاح فاسد میں مہر آقا کے حق میں ظاہر نہیں ہو گا (کیونکہ اس کی اجازت نہیں تھی) اور غلام کے آزاد ہونے کے بعد اسی سے لیا جائے گا۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح کا مقصد مستقبل میں پاکیزگی و (بدکاری سے) حفاظت ہے اور یہ مقصد جائز نکاح ہی کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔ اسی بناء پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر کسی نے یہ قسم کھائی کہ وہ شادی نہیں کرے گا تو اس قسم میں شادی سے مراد جائز شادی ہے (اگر اس نے نکاح فاسد کرلیا تو حانث نہیں ہوگا اور قسم نہیں ٹوٹے گی) لیکن بیع کی حیثیت اس سے مختلف ہے یعنی اس میں اجازت بیع صحیح وفاسد دونوں کو شامل ہے) اس لئے کہ بیع فاسد سے بھی بیع کے کچھ مقاصد (یعنی استعمال کی ملکیت واختیار) حاصل ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ لفظ (شادی کر) مطلق ہے (یعنی اس میں کوئی قید نہیں ہے) اس لئے اس کو مطلق استعمال کریں گے جیسا کہ بیع میں مطلق استعمال کرتے ہیں (اور لفظ بیع اس کی دونوں قسموں صحیح وفاسد کو شامل ہوتا ہے۔ صاحبینؒ نے نکاح و بیع میں جو فرق کیا تھا اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) نکاح فاسد سے بھی بعض مقاصد حاصل ہوجاتے ہیں جیسے نسب ثابت ہونا، مہر واجب ہونا اور جماع کرنے پر

عدت واجب ہوتا۔ قسم کا مسئلہ (جو صاحبین نے پیش کیا تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہ) اس اصول (یعنی مطلق کو اسی طرح استعمال کریں گے، اس) پر تسلیم شدہ نہیں ہے (اس لئے دلیل نہیں بن سکتا)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنے ایسے غلام کو عورت سے شادی کی اجازت دی جسے تجارت کی اجازت دے رکھی ہے اور وہ مقروض بھی ہے، تو شادی کی یہ اجازت جائز ہے اور عورت اپنے مہر کے حق میں دوسرے قرض خواہوں کے برابر ہوگی۔ یہ حکم اس وقت ہے جبکہ نکاح مہر مثل کے بدلہ میں ہو۔ (برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ غلام کے مال میں سے مہر کی ادائیگی کو ترجیح حاصل نہیں ہوگی)۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آقا کی ولایت (نکاح کی اجازت کے اختیار) کا سبب غلام پر اس کی ملکیت ہے جیسا کہ ہم اسے (اس مسئلہ کے بعد) ذکر کریں گے۔ (غلام کے مقروض ہونے کی بنا۔ پر اس پر قرضخواہوں کا حق ثابت ہوگیا اور نکاح سے وہ باطل ہوجاتا ہے اس لئے نکاح کی اجازت صحیح نہیں ہونی چاہیئے۔ اس کا جواب دیتے ہیں کہ) نکاح قصداً قرضخواہوں کے حق کو باطل نہیں کر رہا ہے (اس لئے نکاح کی اجازت ممنوع نہیں ہوگی) مگر جب نکاح صحیح ہوگیا تو ایسے سبب سے قرض (یعنی مہر) واجب ہوگیا کہ جس سبب سے چھٹکارا نہیں ہے اور مہر اس قرض کے مشابہ ہوگیا جو کوئی چیز ضائع کرنے سے واجب ہوتا ہے (یعنی اگر یہ مقروض غلام کسی کی کوئی چیز ضائع کردے تو اس کا تاوان اس پر قرض ہوجائے گا اور اس کا انکار نہیں کرسکتے) اور یہ مقروض غلام اس

مقروض مریض کی طرح ہو گیا جو اس حالت میں شادی کرلے[1]۔ اس لئے مہر مثل تک عورت دوسرے قرضخواہوں کے برابر ہو گی۔

مسئلہ:- اگر کسی نے اپنی باندی کا نکاح کرا دیا تو اس کے ذمّہ یہ نہیں ہے کہ وہ باندی کو اس کے شوہر کے گھر جانے دے (اور ان کے درمیان حائل نہ ہو) بلکہ باندی اپنے آقا کی خدمت کرے گی اور شوہر سے کہا جائے گا کہ تمہیں جب بھی موقع مل جائے اس سے جماع کر لو۔ کیونکہ (شادی کرنے کے بعد بھی) آقا کے لئے باندی سے خدمت لینے کا حق باقی ہے اور شوہر کے گھر بھیجنے کا لازمی حکم اس حق کو باطل کرتا ہے (اس لئے یہ حکم ثابت نہیں ہو گا)۔

اگر آقا نے اسے اس کے شوہر کے ساتھ گھر بھیج دیا تو شوہر کے ذمہ اس کا خرچہ اور رہائش ہے اگر نہیں بھیجا تو شوہر کے ذمہ کچھ نہیں۔ کیونکہ (بیوی کا) خرچہ (اس کو) پابند کرنے کے مقابلہ میں ہے۔ اگر آقا نے باندی کو اس کے شوہر کے گھر بھیج دیا اس کے بعد آقا کا ارادہ ہوا کہ اس

---

[1] یعنی اگر ایک مقروض شخص مرض الوفات میں مبتلا ہو جائے اور اسی مرض میں وفات پائے تو اس کے سارے مال پر قرضخواہوں کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ اس مرض میں اگر وہ کسی نئے قرضخواہ کا اقرار کرے تو اس کا اقرار مقبول نہیں ہو گا کیونکہ اس کے اقرار سے سابقہ قرضخواہوں کا حق متاثر ہوتا ہے اور اس میں کمی آتی ہے لیکن اگر وہ نکاح کرے تو اس کا نکاح کرنا صحیح ہے اگرچہ نکاح کی وجہ سے اس پر مہر واجب ہو جائے گا اور سابقہ قرضخواہوں کے حق میں کمی آئے گی لیکن چونکہ نکاح کا اصل مقصد مہر واجب کر کے دوسرے کا حق باطل کرنا نہیں ہے اس لئے نکاح ممنوع نہیں ہو گا۔ اسی طرح مقروض غلام کا مسئلہ ہے کہ اس کے لئے نکاح کرنا صحیح ہو گا۔

سے خدمت لے تو آقا باندی کو واپس بلا سکتا ہے۔ کیونکہ ملکیت باقی ہونے
کی وجہ سے اس سے خدمت لینے کا حق بھی باقی ہے اس لئے گھر بھیجنے سے
ساقط نہیں ہوگا جیسا کہ نکاح کرنے سے ساقط نہیں ہوا۔ مصنفؒ فرماتے
ہیں کہ امام محمدؒ نے یہ ذکر کیا ہے کہ آقا اپنے غلام اور باندی کی شادی کردے
اور ان دونوں کی رضامندی کا ذکر نہیں کیا۔ یہ ہمارے مذہب کے اس
اصول پر مبنی ہے کہ آقا غلام و باندی کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے جب کہ
امام شافعیؒ کے نزدیک غلام کو آقا مجبور نہیں کر سکتا اور یہی امام ابوحنیفہؒ
سے روایت ہے کیونکہ نکاح کرنا آدمی ہونے کی خصوصیت ہے اور غلام
آقا کی ملکیت میں مال ہونے کے اعتبار سے داخل ہوتا ہے (آدمی ہونے
کے اعتبار سے نہیں) اس لئے آقا اس کے نکاح کرانے کا مالک نہیں
ہوگا لیکن باندی کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ آقا اس سے جماع کے
منافع کا مالک ہوتا ہے اس لئے دوسرے کو مالک بنا سکتا ہے۔ ہم احناف
کی دلیل یہ ہے کہ غلام کے نکاح کرنے میں اپنی ملکیت کی اصلاح کرنا ہے کیونکہ
نکاح کے ذریعہ اسے زنا سے بچاتا ہے جو کہ ضائع ہونے اور نقصان کا سبب
ہے (یعنی اس پر زنا کی حد جاری ہوگی جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا یا اس
کی قیمت کم ہو جائے گی) اس لئے باندی پر قیاس کرتے ہوئے آقا اس کا بھی
مالک ہوگا (یعنی غلام کا نکاح جبراً کرادے) لیکن مکاتب غلام باندی کی
حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ یہ دونوں تصرف کرنے کے اعتبار سے
آزاد انسانوں میں شامل ہو گئے ہیں (یعنی مکاتب تجارت کر سکتا ہے،

مال کا مالک بن سکتا ہے، آقا اسے فروخت نہیں کر سکتا وغیرہ) اس لئے ان کی رضامندی شرط ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنی باندی کی شادی کر دی پھر اس سے پہلے کہ اس کا شوہر اس سے جماع کرے آقا نے اسے قتل کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کا کوئی مہر نہیں ہوگا۔ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کے ذمّہ باندی کے آقا کے لئے مہر ہوگا۔ انہوں نے اسے باندی کی اپنی موت پر قیاس کیا ہے (یعنی اگر جماع سے پہلے باندی خود مر جائے تو اس کے لئے مہر ہوتا ہے) یہ اس لئے کہ مقتول اپنے وقت پر مرتا ہے (یعنی اس کے قتل کا وقت اس کی موت کا مقررہ وقت ہوتا ہے) اور یہ مقتولہ ایسی ہوگئی جیسے اسے کسی اجنبی نے قتل کیا ہو (اور اس صورت میں مہر واجب ہوتا ہے)۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آقا نے باندی کو قتل کر کے مبدّل (یعنی باندی سے حق جماع) شوہر کو حوالہ کرنے سے پہلے ہی شوہر کو اس سے منع کر دیا اس لئے بدل (یعنی مہر) منع کر کے اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا جیسے اگر (نکاح کے بعد جماع سے پہلے) آزاد عورت مرتد ہو جائے (تو اسے مہر نہیں ملتا)۔ (صاحبینؒ نے جو یہ فرمایا تھا کہ مقتول اپنے وقت پر مرتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ) دنیوی احکام میں قتل کو ہلاک و ضائع کرنے والا مقرر کیا گیا ہے یہاں تک کہ اس کی وجہ سے قصاص اور دیت واجب ہوتی ہے تو اسی طرح مہر کے حق میں بھی اسے ضائع کرنے والا معتبر کریں گے۔ اگر آزاد عورت (نکاح کے بعد) اپنے آپ کو قتل کر دے اس سے پہلے کہ

شوہر اس سے جماع کرے تو اس کے لئے مہر ہوگا۔ امام زفرؒ کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے اسے مرتد ہونے اور آقا اپنی باندی کو قتل کردے اس کے حکم پر قیاس کیا ہے اور ان سب میں مشترک چیز وہی ہے جو ہم نے بیان کی (یعنی مبدل سے منع کیا تو بدل سے محرومی ہوگی)۔ اس مسئلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ عورت کا اپنی ذات پر جرم کرنا دنیوی احکام میں معتبر نہیں ہے تو یہ طبعی موت مرنے کے مشابہ ہوگئی (اس لئے اس کے لئے مہر ہوگا)، آقا اپنی باندی کو قتل کرے اس کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ دنیوی احکام میں اس کا اعتبار ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی وجہ سے آقا پر کفارہ بھی واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کی باندی سے شادی کی ہے تو عزل[1] کرنے میں اس کے آقا سے اجازت لینی ہوگی۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اجازت باندی سے لے گا کیونکہ جماع اس باندی کا حق ہے یہاں تک کہ (اگر شوہر اس سے جماع نہ کرے تو عدالت کے ذریعہ) باندی جماع کا مطالبہ بھی کرسکتی ہے اور عزل کرنے میں اس کے حق کو کم کرنا ہے، اس لئے اس کی رضامندی کی شرط ہوگی جیسا کہ آزاد عورت کے بارے میں یہ حکم ہے لیکن اپنی مملوکہ باندی کی حیثیت اس سے مختلف ہے (کہ اس میں اجازت کی ضرورت نہیں) کیونکہ اسے جماع کے مطالبہ کا حق نہیں اس لئے اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہوگا۔ ظاہر روایت (یعنی امام صاحبؒ) کی دلیل یہ ہے کہ عزل اولاد کے مقصود میں خلل ڈالتا ہے اور اولاد آقا کا حق

---

[1] جماع کے دوران انزال شرمگاہ سے باہر کرنا تاکہ حمل نہ ٹھہر جائے۔

ہے، اس لئے اس کی رضامندی معتبر ہوگی، اس دلیل سے آزاد عورت کا حکم باندی کے حکم سے ممتاز وجدا ہوگیا (کیونکہ آزاد عورت میں آقا کا حق نہیں ہوتا)۔

مسئلہ:۔ اگر باندی نے اپنے آقا کی اجازت سے شادی کی۔ اس کے بعد وہ آزاد ہوگئی تو اسے نکاح باقی رکھنے میں اختیار ہے، اس کا شوہر خواہ آزاد ہو یا غلام۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہؓ سے جب وہ آزاد ہوگئی تھیں یہ فرمایا تھا کہ "تم اپنی ناموس کی مالک ہوگئی ہو پس تمہیں اختیار ہے"۔ اس حدیث میں ناموس کی ملکیت کو مطلقاً علت بنایا ہے اس لئے وہ دونوں صورتوں (یعنی شوہر کا آزاد ہونا و غلام ہونا، ان) کو شامل ہے۔ امام شافعیؒ شوہر کے آزاد ہونے کی صورت میں ہماری مخالفت کرتے ہیں (یعنی اس صورت میں اس آزاد شدہ باندی کو اختیار نہیں ہوگا) لیکن حدیثؐ کا اطلاق ان کے خلاف حجت ہے۔ نیز باندی کے آزاد ہونے کے وقت شوہر کو اس پر ملکیت میں اضافہ حاصل ہوتا ہے (یعنی پہلے دو طلاق کا مالک تھا) اب اس کے بعد تین طلاق کا مالک ہوجائے گا اس لئے باندی بھی سرے سے عقد نکاح ختم کرنے کی مالک ہوگی تاکہ جو اضافہ اس کے شوہر کو حاصل ہو رہا ہے اسے دور کرسکے۔

مکاتبہ باندی کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ یعنی جبکہ اس نے اپنے آقا کی اجازت سے شادی کی ہو پھر آقا نے اسے آزاد کردیا ہو۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ اسے اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ عقد اس مکاتبہ کی رضامندی سے

نافذ ہوا ہے اور اس لئے مہر بھی ہے (یعنی یہ عام باندیوں سے ممتاز ہے) اس لئے یہاں اختیار کو ثابت کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن عام باندی کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ نکاح میں اس کی رضامندی کا اعتبار نہیں ہے۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل میں اس اختیار کی علت ملکیت کا زیادہ ہونا ہے اور اس علت کو ہم نے مکاتبہ میں بھی پایا ہے کیونکہ مکاتبہ کی عدت دو حیض اور اس کے لئے دو طلاق ہیں (آزاد ہونے کے بعد اس میں اضافہ ہو جائے گا)۔

مسئلہ: ۔ اگر باندی نے اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کی، اس کے بعد وہ آزاد ہو گئی تو نکاح صحیح ہوگا۔ کیونکہ باندی میں (عقد کرنے اور) کسی چیز کو بیان کرنے کی اہلیت ہے اور نکاح کے نافذ ہونے کی ممانعت آقا کے حق کی وجہ سے تھی اور وہ ختم ہو چکا (اس لئے نکاح نافذ ہو جائے گا)۔ لیکن باندی کو (آزاد ہونے کے بعد نکاح ختم کرنے کا) اختیار نہیں ہوگا۔ کیونکہ نکاح آزاد ہونے کے بعد نافذ ہوا ہے اس لئے ملکیت میں اضافہ ثابت نہیں ہوگا (بلکہ شوہر نکاح نافذ ہونے کے بعد ہی سے تین طلاق کا مالک ہوگا) اور یہ صورت ایسی ہے جیسے باندی آزاد ہونے کے بعد خود نکاح کرے۔

اگر باندی نے آقا کی اجازت کے بغیر ایک ہزار مہر پر شادی کی حالانکہ اس کا مہر مثل سو روپے ہے، شوہر نے اس سے جماع کر لیا اس کے بعد اس کے آقا نے اسے آزاد کیا تو اس صورت میں مہر آقا کے لئے ہوں گے۔ کیونکہ شوہر نے آقا کی مملوکہ سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ اگر شوہر نے جماع

نہیں کیا یہاں تک کہ آقا نے اسے آزاد کر دیا تو اس صورت میں مہر باندی کے لئے ہوں گے۔ کیونکہ اس وقت شوہر نے (آزاد شدہ) باندی کی ملکیت یعنی ناموس سے فائدہ حاصل کیا ہے (اس لئے اس کا بدل واجب ہوگا)۔ یہاں مہر سے مراد وہی ہزار روپے مقرر ہیں۔ کیونکہ آزادی کے وقت جو عقد نافذ ہوگا وہ عقد کے وجود کے وقت کی طرف منسوب ہوگا (یعنی گویا آزادی سے پہلے جب عقد کیا تھا اسی وقت سے نافذ ہے) اس لئے عقد کے وقت جو مقرر کیا ہے وہ صحیح ہو جائے گا اور مقررہ مہر ہی واجب ہوگا۔ اس اصول (یعنی عقد کا نفاذ عقد کے وجود کے وقت کی طرف منسوب ہونا ہے، اس) کی وجہ سے موقوف نکاح[1] میں جماع کرنے کے بعد دوسرا مہر واجب نہیں ہوتا، کیونکہ نفاذ عقد کے وقت کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے (اجازت سے قبل و بعد کا) عقد متحد ہو گیا، تو صرف ایک ہی مہر واجب ہوگا۔

مسئلہ:۔ اگر کسی نے اپنے بیٹے کی باندی سے جماع کیا اور اس سے بچہ پیدا ہوا، تو یہ باندی اس (یعنی باپ) کی امّ ولد ہو جائے گی اور اس کے ذمہ باندی کی قیمت ہوگی لیکن اس پر کوئی مہر واجب نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ

---

[1] نکاح فضولی کی صورت میں اجازت ملنے سے قبل نکاح موقوف ہوتا ہے۔ اور نکاح نافذ نہیں ہوتا۔ اجازت ملنے کے بعد نافذ ہوتا ہے۔ اب نافذ ہونے سے پہلے شوہر نے اگر جماع کر لیا تو نیا مہر (یعنی تاوان) واجب نہیں ہوگا بلکہ عقد کے وجود کے وقت جو مہر مقرر ہوا تھا وہی واجب ہوگا گویا عقد اسی وقت سے نافذ ہو گیا۔

اس وقت ہے کہ باپ اس نومولود بچے کا دعویٰ کرے (کہ یہ میرا ہے) - اس کی وجہ یہ ہے کہ باپ کو اپنی زندگی کی بقاء کی ضروریات (طعام وغیرہ) کے لئے اپنے بیٹے کا مال لینے کا اختیار ہے تب (بیٹے کی باندی سے جماع کے بعد) اسے اپنے پانی (یعنی منی) کی حفاظت کے لئے بیٹے کی باندی لینے کا بھی اختیار ہوگا مگر (مال لینے کی صورت میں باپ پر مال کی قیمت واجب نہیں ہوتی جبکہ یہاں باندی کی قیمت واجب ہو رہی ہے، تو اس فرق کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) نسل باقی رکھنے کی ضرورت جان کی بقاء سے کم درجہ کی ہے اس لئے (بیٹے کی) باندی کا قیمت کے ذریعہ مالک ہوگا اور (بیٹے کے) طعام کا بغیر قیمت کے۔ (غیر ملک[1] میں جماع کرنے کا تاوان لازم نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ) پھر باندی پر باپ کی یہ ملکیت بچہ کی پیدائش سے پہلے ثابت ہوگی تاکہ اپنے لئے جائز و حلال اولاد حاصل کرنے کی شرط پوری ہو سکے کیونکہ حلال اولاد حاصل کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ جماع حقیقی ملکیت میں ہو یا جماع کا حق ہو جبکہ یہاں باندی میں باپ کے لئے دونوں چیزیں ثابت نہیں ہیں یہاں تک کہ باپ (جماع سے پہلے) اس سے شادی بھی کر سکتا تھا اس لئے ملکیت کو جماع سے مقدم کرنا ضروری ہے (جب ملکیت

---

[1] بیٹے کی باندی باپ کی ملکیت نہیں ہے اور شبہہ کی بناء پر غیر ملک میں اگر جماع کیا جائے تو تاوان لازم ہوتا ہے لیکن یہاں باپ پر تاوان لازم نہیں ہے نیز حلال اولاد حاصل کرنے کے لئے کسی عورت پر حقیقی ملکیت ہو یا اس سے جماع کرنے کا حق ہو اور یہاں باپ کے لئے یہ دونوں چیزیں ثابت نہیں ہیں لیکن پھر بھی یہ اولاد جائز و ثابت النسب ہوگی مصنفؒ ان دونوں مسائل کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

مقدم ہوگئی) تو ظاہر ہو گیا کہ جماع اپنی ملکیت میں ہوا ہے اس لئے اس پر جماع کا تاوان لازم نہیں ہوگا (یہ تاوان مہر کے قائم مقام ہوتا ہے اس لئے مسئلہ میں اسے مہر کہا) لیکن امام زفرؒ و امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مہر واجب ہوگا کیونکہ یہ دونوں امام (باپ کے لئے باندی میں) ملکیت حلال اولاد حاصل کرنے کے لئے بطورِ حکم ثابت کرتے ہیں[1] (بطور شرط نہیں) جیسا کہ مشترکہ باندی میں اسی طور سے ملکیت ثابت ہوتی ہے[2]۔ اور کسی چیز کا حکم اس کے بعد آتا ہے (اس لئے جماع سے پہلے ملکیت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مہر یعنی تاوان واجب ہوگا)۔ یہ مسئلہ (جامع صغیر کی شروح میں) معروف ہے۔

مسئلہ:۔ اگر بیٹے نے اپنی باندی کی شادی اپنے باپ سے کر دی۔ پھر اس نے بچہ جنا تو یہ باندی باپ کی امّ ولد نہیں بنے گی، باپ پر اس کی قیمت بھی لازم نہیں ہوگی لیکن اس پر مہر لازم ہوگا اور بچہ آزاد شمار ہوگا۔ اس لئے اس باندی میں باپ کی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے نزدیک اس کی شادی باپ سے کرانا صحیح ہے۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے (ان کے نزدیک باپ کا باندی پر ملکیت کا حق ہے اس لئے شادی کرانا صحیح نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ) کیا اس پر غور نہیں کیا کہ بیٹا باندی کا پوری طرح مالک ہے تو

---

[1] بطور حکم ثابت کرنے کا فائدہ صرف اتنا ہوگا کہ اولاد حلال شمار ہوگی لیکن اس باپ کی پاکیزگی ختم ہو جائے گی اگر کوئی اسے بدکاری کی تہمت لگائے گا تو تہمت لگانے والے پر حدِّ قذف جاری نہیں ہوگی۔ [2] مثلاً باندی باپ اور بیٹے میں مشترک ہو اور وہ بچہ جنے تو باپ اس بچہ کا اپنے لئے دعویٰ کر دے تو نسب ثابت ہو جائے گا اور تاوان بھی واجب ہوگا۔ تاوان اس پر دلالت کر رہا ہے کہ ملکیت جماع سے پہلے ثابت نہیں ہوتی۔

یہ محال ہے کہ کسی درجہ میں باپ اس کا مالک ہو اسی طرح بیٹا باندی پر ایسے تصرفات کا مالک ہے کہ اگر باپ کی ملکیت باندی پر ہو تو بیٹا ان تصرّفات کا مالک نہیں ہو سکتا (مثلاً بیچنا ہبہ کرنا آزاد کرنا وغیرہ) تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کی باندی پر ملکیت بالکل نہیں ہے مگر (یہ سوال ہے کہ اگر باپ بیٹے کی باندی سے حرام جانتے ہوئے جماع کرلے تو اس پر حد جاری نہیں ہوتی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ) اس پر سے شبہہ کی بناء پر حدّ ساقط ہو جاتی ہے۔ جب نکاح جائز ہو گیا تو اس کا پانی نکاح کی وجہ سے (غلامی سے) محفوظ ہو گیا اس لئے مِلکِ یمین (یعنی آقا والی ملکیت ثابت نہیں ہو گی) تو یہ (بیٹے کی باندی) باپ کی امّ ولد بھی نہیں بنے گی (کیونکہ کسی کی امّ ولد ہونے کے لئے اس کی باندی ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں وہ باپ کی باندی نہیں بلکہ بیوی ہے) باپ پر نہ اس (یعنی بیٹے کی باندی) کی قیمت لازم ہو گی اور نہ اس کے بچہ کی، کیونکہ باپ ان دونوں کا مالک نہیں بنا۔ باپ کے ذمّہ مہر ہو گا کیونکہ باپ نے نکاح کے ذریعہ مہر اپنے اوپر لازم کر لیا۔ اور باپ کی بیوی (جو کہ بیٹے کی باندی ہے اس) کا بچّہ آزاد ہو گا کیونکہ (بیٹا باندی کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کے بچّہ کا بھی مالک ہو گا حالانکہ یہ بچّہ اس کے باپ کا بیٹا ہے تو) اس بچّہ کا بھائی اس کا مالک بنے گا اس لئے رشتہ داری کی وجہ سے وہ بچّہ آزاد ہو جاتے گا (کیونکہ از روئے حدیث رشتہ دار کا مالک ہونے سے وہ رشتہ دار آزاد ہو جاتا ہے)۔

مسئلہ:۔ امام محمدؒ نے فرمایا کہ اگر آزاد عورت کسی غلام کے نکاح میں ہو اور

وہ اپنے شوہر کے آقا سے کہے کہ تم اسے میری طرف سے ایک ہزار روپیہ کے بدلے میں آزاد کر دو، آقا نے اس طرح کر دیا تو نکاح فاسد ہو جائے گا۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ میں اصول یہ ہے کہ ہمارے نزدیک آزادی آمر یعنی حکم دینے والے کی طرف سے واقع ہوگی یہاں تک کہ آزاد شدہ غلام کا ترکہ بھی اسی حکم دینے والے کے لئے ہوگا، اور اگر آزادی کے اس حکم دینے میں اس نے اپنے کفارہ کی ادائیگی کی نیت کر لی تو وہ (آمر) کفارہ کی ذمہ داری سے بھی بری ہو جائے گا (یہ اس کی دلیل ہے کہ غلام آمر کی طرف سے آزاد ہوا ہے)۔ جبکہ امام زفرؒ کے نزدیک مامور یعنی جسے حکم دیا ہے اس کی طرف سے آزادی واقع ہوگی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آمر نے مامور سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ اپنے غلام کو میری (یعنی آمر کی) طرف سے آزاد کر دے اور یہ مطالبہ محال ہے کیونکہ انسان جس کا مالک نہ ہو اسے آزاد نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ مطالبہ صحیح نہیں ہوا تو آزادی مامور کی طرف سے واقع ہوگی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ آمر کے کلام کے اقتضاء کے طریق پر ملکیت کو مقدم کر کے اس کے مطالبہ کو صحیح کرنا ممکن ہے کیونکہ اس کی طرف سے آزادی کی صحت کے لئے ملکیت شرط ہے۔ اس لئے آمر کا قول "آزاد کر" پہلے یہ مطالبہ ہوگا کہ مامور اپنے غلام کا آمر کو ایک ہزار کے عوض مالک بنا دے پھر مامور کو حکم ہوگا کہ آمر کی طرف سے اس کے غلام کو (وکیل کی حیثیت سے) آزاد کر دے۔ اور مامور کا یہ کہنا کہ "میں نے آزاد کر دیا" آمر کو غلام کا مالک بنانا پھر اس کی طرف سے آزاد کرنا ہے۔ اور جب یہاں آمر کے لئے ملکیت ثابت ہو گئی تو

نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ دونوں ملکیت (یعنی مِلکِ نکاح و مِلکِ یمین) میں منافات وجدائی ہے (دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں)۔

مسئلہ:۔ اگر اس آزاد عورت (یعنی غلام کی بیوی) نے اتنا کہا کہ اسے تم میری طرف سے آزاد کردو اور مال کا ذکر نہیں کیا۔ (غلام کے آقا نے اس طرح کر دیا) تو نکاح فاسد نہیں ہوگا اور غلام کا ترکہ آزاد کرنے والے یعنی آقا کے لئے ہوگا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک ہے جبکہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ اور پہلا مسئلہ برابر ہے۔ کیونکہ وہ یہاں (مامور کی طرف سے آمر کو) مالک بنانے کے عمل کو (ہبہ کے طور پر) عوض کے بغیر مقدّم کرتے ہیں تاکہ آمر کا قول و تصرّف صحیح ہو جائے (یعنی گویا مامور نے آمر کو غلام ہبہ کر دیا اور وہ آمر کی ملکیت میں جانے کے بعد آزاد ہوا۔ ہبہ میں قبضہ ضروری ہے اور یہاں آمر کا قبضہ نہیں ہے اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ) وہ یہاں قبضہ کو ساقط کر دیتے ہیں جیسا کہ اگر کسی پر کفارۂ ظہار ہوا اور وہ دوسرے کو حکم دے کہ میری طرف سے کھانا کھلا دو (یعنی کفارہ ادا کر دو۔ اگر مامور نے اس طرح کر دیا تو آمر کا کفارہ ادا ہو جائے گا اگرچہ یہاں آمر کی طرف سے کھانے پر قبضہ نہیں ہوا)۔ امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ہبہ صحیح ہونے کے لئے قبضہ کی شرط نصّ (یعنی حدیث) سے ثابت ہے اس لئے اسے ساقط کرنا ممکن نہیں ہے اور بطور اقتضاء ثابت کرنا بھی ممکن نہیں ہے (یعنی ضمناً ثابت کرلیں جیسا کہ پہلے مسئلہ میں بیع کو ثابت کیا تھا) کیونکہ قبضہ کرنا ایک حسّی فعل ہے (اس لئے محسوس ہونا ضروری ہے) جبکہ بیع کی حیثیت

اس سے مختلف ہے (کہ اسے اقتضاءً ثابت کر سکتے ہیں) کیونکہ وہ شرعی تصرف ہے۔ (اس بیان سے پہلے والے اور اس مسئلہ میں فرق ہو گیا۔ امام ابو یوسفؒ نے قبضہ ساقط کرنے میں ظہار کی جو نظیر پیش کی تھی اس کا جواب دیتے ہیں کہ) اس ظہار کے مسئلہ میں فقیر آمر کی طرف سے قبضہ کرنے میں نائب بنتا ہے (یعنی طعام پہلے آمر کے قبضہ میں جاتا ہے پھر فقیر کے قبضہ میں آتا ہے۔ تو یہاں قبضہ پایا گیا) لیکن یہاں مذکورہ مسئلہ میں غلام ہے اس کے قبضہ میں کوئی چیز آتی نہیں کہ اس کی طرف سے نیابت کرے (کیونکہ وہ غلام ہونے کی وجہ سے کسی چیز کا مالک نہیں بن سکتا، اس لئے نائب بھی نہیں بنتا)۔

غیر مسلموں کے نکاح کا بیان

مسئلہ:۔ اگر کسی کافر نے گواہوں کے بغیر شادی کی یا ایسی عورت سے شادی کی جو اپنے کافر شوہر کی عدت گزار رہی تھی اور یہ دونوں معاملے ان کے دین میں جائز ہوں، پھر یہ دونوں مسلمان ہو جائیں تو ان کا نکاح برقرار رکھا جائے گا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں نکاح فاسد ہے مگر ان کے مسلمان ہونے سے پہلے اور (مسلمانوں کی) عدالت میں جانے سے پہلے ان سے تعرّض نہیں کیا جائے گا۔ امام ابویوسفؒ و محمدؒ پہلی صورت کے بارے میں وہی فرماتے ہیں جو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا اور دوسری صورت میں وہ فرماتے ہیں جو امام زفرؒ نے فرمایا۔ امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ شریعت کا خطاب عام ہے جیسا کہ اس کا بیان پہلے گزرا، اس لئے اسلامی احکام ان پر لازم ہوں گے لیکن ان کے ذمی ہونے کی وجہ سے ان کے معاملات کو ثابت کرنے کے بجائے ان سے اعراض و بے توجہی کرتے ہوئے ان سے تعرض نہیں کریں گے اور جب وہ عدالت میں مقدمہ لے جائیں گے یا مسلمان ہو جائیں گے تو چونکہ ان کے نکاح کی حرمت موجود و قائم ہے اس لئے ان میں جدائی واجب ہوگی۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو عورت عدت گزار رہی ہو اس سے نکاح کے حرام ہونے پر (امت مسلمہ کا) اجماع ہے

اس لئے کافر ذمی بھی اس کے پابند ہوں گے لیکن گواہوں کے بغیر نکاح کے حرام ہونے میں اختلاف ہے (امام مالکؒ و ابن ابی لیلیٰؒ کے نزدیک جائز ہے) اور کافر ہمارے تمام مختلف فیہ احکامات کے پابند نہیں ہیں (اس لئے مسلمان ہونے کے بعد پہلی صورت میں نکاح برقرار رہے گا اور دوسری صورت میں ختم ہو جائے گا)۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ کافروں پر شرعی حق کے اعتبار سے اس نکاح کی حرمت کو ثابت کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ شرعی حقوق کے مخاطب نہیں ہیں نیز شوہر کے حق کے لئے عدت واجب کرنے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ شوہر (کافر تھا اور وہ) عدت کا اعتقاد نہیں رکھتا لیکن اگر مسلمان شوہر کی عدت گزارے تو اس کا حکم مختلف ہے کیونکہ مسلمان تو اس کا اعتقاد رکھتا ہے۔ اب جبکہ (حالت کفر میں) نکاح صحیح ہو گیا تو (مسلمانوں کی) عدالت میں لے جانے اور مسلمان ہونے کی حالت اس سابقہ نکاح کو باقی رکھنے کی حالت ہے اور نکاح باقی رکھنے کے لئے گواہی شرط نہیں ہے اسی طرح عدت بھی اس بقا کی حالت کے منافی نہیں ہے جیسے کسی کی منکوحہ سے شبہہ کی بناء پر (نکاح کر کے) جماع کر لیا جائے[۱]

مسئلہ:۔ اگر کسی آتش پرست نے اپنی ماں یا بیٹی سے نکاح کر لیا پھر

---

[۱] یعنی دوسرے کی بیوی سے اس شبہہ سے نکاح سے کر لیا کہ اس کا شوہر مر گیا ہے اور اس کے بعد جماع بھی کر لیا۔ بعد میں اس کا سابقہ شوہر ظاہر ہوا کہ تو یہ دوسرا نکاح ختم ہو جائے گا اور پہلا نکاح باقی رہتے ہوئے دوسرے شوہر کی عدت واجب ہو گی۔

دونوں مسلمان ہو گئے تو ان میں جدائی کر دی جائے گی۔ کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک کافروں کے حق میں بھی محارم سے نکاح کرنا باطل ہے جیسے کہ معتدہ کے بارے میں ان کی دلیل ہم نے ذکر کی اور مسلمان ہونے کے بعد اس کی وجہ سے ان سے تعرض کرنا اور اسلامی حکم کا پابند کرنا ضروری ہے اس لئے ان میں جدائی کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح روایت کے مطابق کافروں کے حق میں محارم سے نکاح صحیح ہے لیکن (مسلمان ہونے کے بعد اس کا باقی رکھنا صحیح نہیں ہے کیونکہ) محرم ہونا نکاح باقی رکھنے کے منافی ہے اس لئے جدائی کر دی جائے گی، عدت کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ عدت نکاح کی بقا کے منافی نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ (محارم سے نکاح کرنے کے بعد) ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہوتا ہے تو ان دونوں کے درمیان جدائی کر دی جائے گی لیکن (کافر رہتے ہوئے) اگر کوئی ایک عدالت سے اسلامی حکم کا مطالبہ کرے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جدائی نہیں کی جائے گی۔ صاحبینؒ کا اس سے اختلاف ہے (ان کے نزدیک جدائی کر دی جائے گی)۔ امام صاحبؒ کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ کافر میاں بیوی میں سے ایک کے عدالت میں مقدمہ کرنے سے نکاح باطل نہیں ہوتا کیونکہ اس سے اس کا عقیدہ نہیں بدلتا لیکن (اگر ایک مسلمان ہو جاتے اور دوسرا کفر پر اصرار کرے تو اس) اصرار کرنے والے کا عقیدہ مسلمان کے اسلام کے معارض و مقابل نہیں ہو سکتا کیونکہ اسلام تو بلند رہتا ہے اس پر

کسی دوسرے کو بلندی نہیں ہوتی۔

اگر دونوں اسلامی حکم کا عدالت سے مطالبہ کریں تو بالاجماع جدائی کر دی جائے گی۔ اس لئے کہ دونوں کا عدالت میں جانا ایسا ہے جیسے دونوں نے کسی تیسرے کو فیصلہ کرنے والا بنا لیا۔ (اگر وہ کسی شخص کے ذریعہ فیصلہ چاہیں تو وہ ان میں جدائی کر سکتا ہے تب قاضی بدرجۂ اولیٰ ان میں جدائی کر سکتا ہے)۔

مسئلہ:۔ یہ جائز نہیں ہے کہ مرتد شخص کسی مسلمان عورت سے شادی کرے اور نہ ہی کسی کافر عورت و مرتد عورت سے۔ کیونکہ وہ قتل کا مستحق ہے اور اسے (تین دن کی) مہلت غور و فکر کرنے کی وجہ سے ملی ہے (اگر نکاح کرے گا تو) نکاح غور و فکر سے غافل کر دے گا اس لئے اس کے حق میں نکاح جائز نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ اسی طرح مرتد عورت سے نہ کوئی مسلمان اور نہ کوئی کافر شادی کرے۔ کیونکہ وہ غور و فکر کرنے کے لئے قید کی جائے گی جبکہ شوہر کی خدمت اسے اس غور سے غافل کر دے گی۔ نیز (چونکہ عورت قید میں ہے اور اس کا شوہر آزاد ہے اس لئے) یہ نکاح ان کے درمیان فوائد و مصالح پر مشتمل نہیں ہوگا جبکہ نکاح بذات خود مشروع نہیں ہے بلکہ اپنے مصالح و فوائد کی وجہ سے مشروع ہے۔

مسئلہ:۔ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو تو اولاد مسلمان کے دین پر ہوگی اسی طرح اگر کافر میاں بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو گیا

حالانکہ ان کی نابالغ اولاد ہے تو اس کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اولاد بھی مسلمان ہوگی۔ کیونکہ اولاد کو مسلمان کے تابع کرنے میں اولاد کے لئے شفقت و فائدہ ہے۔

اگر ان میں سے کوئی ایک اہل کتاب (عیسائی یا یہودی) ہو اور دوسرا آتش پرست ہو تو اولاد اہل کتاب میں سے شمار ہوگی۔ کیونکہ اس میں بھی اس کے لئے کچھ شفقت ہے۔ اس لئے کہ آتش پرستی عیسائیت یا یہودیت سے زیادہ بری ہے۔ امام شافعیؒ اس میں ہماری مخالفت کرتے ہیں کیونکہ تعارض پیدا ہوگیا[1] ہم احناف (اس کے جواب میں) ترجیح (کے ذریعہ حکم) کو ثابت کرتے ہیں۔

مسئلہ:۔ اگر عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر رہے تو قاضی اس کے سامنے اسلام پیش کرے گا اگر وہ مسلمان ہو گیا تو یہ اس کی بیوی رہے گی اور اگر اس نے انکار کیا تو قاضی ان کے درمیان تفریق (جدائی) کر دے گا۔ امام ابوحنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک یہ تفریق طلاق شمار ہوگی۔ اگر شوہر مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی آتش پرست (یعنی غیر اہل کتاب) ہو تو قاضی اس کے سامنے اسلام پیش کرے گا، اگر وہ مسلمان ہوگئی تو وہ بدستور اس کی بیوی رہے گی اور اگر انکار کیا تو قاضی ان میں تفریق کر دے گا اور ان دونوں

---

[1] اہل کتاب ہونے سے ان کا ذبیحہ اور ان سے نکاح حلال ہوتا ہے جبکہ آتش پرست ہونے کی صورت میں یہ دونوں چیزیں حلال نہیں ہے حالانکہ تمام کافر ایک ہی درجہ میں ہیں تو تعارض پیدا ہوگیا اس لئے اولاد کو کافر ہی معتبر کریں گے۔

کے درمیان یہ تفریق طلاق شمار نہیں ہو گی۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں تفریق طلاق شمار نہیں ہو گی۔ اسلام پیش کرنا ہمارا (یعنی احناف کا) مذہب ہے جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام پیش نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس طرح کرنے میں کافروں سے تعرض کرنا ہے حالانکہ ہم نے عقد ذمہ کر کے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ہم ان سے تعرض نہیں کریں گے مگر (تھوڑی سی تفصیل ہے) کہ جماع سے پہلے (کافر کے) نکاح کی ملکیت یقینی نہیں ہے اس لئے مسلمان ہوتے ہی ختم ہو جائے گی اور جماع کے بعد یقینی ہے اس لئے مسلمان ہونے کے بعد تین حیض ختم ہونے کی مدت تک تفریق مؤخر کی جائے گی جیساکہ طلاق میں یہ حکم ہے (کہ جماع سے پہلے طلاق دینے میں کوئی عدت نہیں ہے اور جماع کے بعد طلاق دینے میں تین حیض کی عدت ہے) ہماری دلیل یہ ہے کہ کسی ایک کے مسلمان ہونے کی وجہ سے نکاح کے مقاصد فوت ہو گئے تو کوئی ایسا سبب ضروری ہے جس پر تفریق کی بناء ہو سکے۔ اسلام (تو ہو نہیں سکتا وہ) اللہ کے حکم کی اطاعت ہے اس لئے وہ تفریق کا سبب نہیں بن سکتا۔ تو اسلام پیش کیا جائے گا تاکہ اسلام (قبول کرنے کے بعد اس) کے ذریعہ مقاصد حاصل ہوں یا اس کا انکار کر کے جدائی ثابت ہو۔ امام ابو یوسفؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جدائی ایسے سبب سے ہو رہی ہے جس میں میاں بیوی دونوں مشترک ہیں (یعنی ایک مسلمان ہوا اور دوسرے نے انکار کیا) اس لئے یہ طلاق نہیں ہو سکتی (کیونکہ طلاق صرف مرد کی طرف سے آتی ہے) جیسے ملکیت کی وجہ سے جدائی ہونا (یعنی اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک غلام ہو اور دوسرا

اسے خرید لے تو ان کا نکاح ختم ہوجاتا ہے اور یہ طلاق نہیں ہوتی)۔ امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ (بیوی کے مسلمان ہونے کی صورت میں) شوہر نے اسلام کا انکار کر کے امساک بالمعروف (یعنی صحیح طریقہ سے بیوی کو رکھنے) سے انکار کر دیا حالانکہ وہ مسلمان ہو کر امساک بالمعروف کر سکتا تھا تو قاضی عورت کو چھٹکارا دلانے میں شوہر کے قائم مقام ہو جائے گا (اور قاضی کی تفریق طلاق ہو گی) جیسا کہ اس شخص کے بارے میں جس کا آلۂ تناسل کٹا ہوا ہو یا وہ نامرد ہو (قاضی تفریق کرتا ہے اور یہ طلاق ہوتی ہے)۔ (شوہر کے مسلمان ہونے کی صورت میں عورت کے انکار سے تفریق طلاق نہیں ہے) کیونکہ عورت طلاق دینے کی اہل نہیں ہے اس لئے اس کے انکار کی صورت میں قاضی اس کی طرف سے (طلاق دینے میں) نائب نہیں ہوگا۔

مسئلہ:۔ اور جب قاضی نے عورت کی جانب سے اسلام کے انکار کی وجہ سے تفریق کر دی تو اگر شوہر نے اس سے جماع کیا ہے تو اس کے لئے مہر ہوگا۔ کیونکہ جماع سے مہر یقینی ہو گیا اور اگر جماع نہیں کیا تو اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہے۔ کیونکہ جدائی عورت کی جانب سے آئی ہے اور مہر یقینی نہیں ہوا تو عورت کے مرتد ہونے یا شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر تصرف کی اجازت دینے کے مشابہ ہو گیا[1]۔

---

[1] شادی کے بعد اگر جماع سے پہلے عورت مرتد ہو جائے یا شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر تصرف کی اجازت دے دے اور وہ اسے شہوت سے چھو لے یا جماع کر لے تو نکاح ختم ہو جاتا ہے اور اس کے لئے کوئی مہر نہیں ہوتا۔

مسئلہ:۔ اگر کافروں کے ملک میں کوئی عورت مسلمان ہو جائے اور اس کا شوہر کافر ہو یا کافر مسلمان ہو جائے اور اس کی بیوی آتش پرست (یعنی غیر اہل کتاب) ہو تو ان میں جدائی نہیں ہوگی یہاں تک کہ تین حیض گزر جائیں اس کے بعد عورت اپنے شوہر سے جدا ہو جائے گی۔ یہ اس لئے کہ مسلمان ہونا تفریق کا سبب نہیں بن سکتا اور کافروں کے ملک میں اسلام پیش کرنا مشکل ہے کیونکہ اختیار و حکومت نہیں ہے اور فساد دور کرنے کے لئے تفریق بھی ضروری ہے تو ہم نے اس تفریق کی شرط کو جو کہ تین حیض گزرنا ہے سبب کے قائم مقام بنایا ہے جیسا کہ کنواں کھودنے میں اس طرح کیا ہے[1]۔ جماع کی ہوئی اور غیر جماع کی ہوئی عورت کے لئے اس حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک وہی تفصیل ہے جو ذمّی کافروں کے لئے مسلمانوں کے ملک میں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر جدائی ہوگئی اور عورت کافر ہے اور کافروں کے ملک میں رہتی ہے تو اس پر کوئی عدت نہیں ہے اور اگر وہ مسلمان ہے (شوہر کافر ہے اور کافروں کا ملک ہے) تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہی حکم ہے صاحبینؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ عنقریب انشاء اللہ اس کا بیان آئے گا۔

---

[1] کسی نے کنواں کھودا اور دوسرا شخص اس میں گر کر مر گیا تو گرنے کی اصل علّت اس گرنے والے کا بوجھ ہے اور کنواں کھودنا شرط ہے لیکن مرنے والے کی ضمان کے لئے بوجھ کو سبب نہیں بنا سکتے کیونکہ وہ طبعی چیز ہے اس لئے شرط کو اس کا سبب بنائیں گے اور جس نے کنواں کھودا ہے اس پر ضمان آئے گی۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ اگر میاں بیوی میں سے کوئی ایک کافروں کے ملک سے ہمارے پاس (مسلمانوں کے ملک میں) مسلمان ہو کر آئے تو ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جدائی نہیں ہوگی۔ اگر میاں بیوی میں سے کسی ایک کو قید کر لیا گیا تو طلاق کے بغیر ان میں تفریق ہو جائے گی اور اگر انہیں ایک ساتھ قید کیا گیا تو تفریق نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں تفریق ہو جائے گی۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک کافر میاں بیوی کے ملک کا بدل جانا جدائی کا سبب ہے نہ کہ قید کرنا جبکہ امام شافعیؒ اس کے برعکس فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ ملک کے اختلاف کا اثر اختیار و حکومت کے ختم ہونے میں ظاہر ہوتا ہے اور یہ میاں بیوی کے درمیان تفریق پر کچھ اثر نہیں ڈالتا جیسے کوئی کافر مسلمانوں کے ملک میں اجازت لے کر (کچھ مدت کے لئے) آئے اور مسلمان کافروں کے ملک میں اجازت لے کر جائے (تو ان کا نکاح ختم نہیں ہوتا)۔ لیکن قید کرنا اس کا تقاضا کرتا ہے کہ جس نے قید کیا اس کے لئے قیدی خالص ہو جائے اور یہ خالص ہونا نکاح ختم ہونے ہی سے ثابت ہو سکتا ہے، اسی وجہ سے قیدی کے ذمّہ سے قرض بھی ساقط ہو جاتا ہے (تاکہ کسی سے تعلق نہ رہے)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان حقیقی و حکمی ملک کا اختلاف ان کے درمیان نکاح کے مصالح پر مشتمل نہیں ہوتا تو یہ محرم ہونے کے مشابہ ہو گیا جبکہ قید کرنا قیدی پر ملکیت کو ثابت کرتا ہے اور کسی کا مملوک ہونا نکاح کی ابتداء کے منافی نہیں

ہے (جیسے کوئی شخص اپنے غلام یا باندی کا نکاح کرا دے) تو اسی طرح نکاح باقی رہنے کے بھی منافی نہیں ہوگا، تو قید کرنا خریدنے کی طرح ہو گیا (کیونکہ کسی کے شادی شدہ غلام یا منکوحہ باندی کو خریدنا جائز ہے اور اس میں صرف ملکیت بدلتی ہے اسی طرح قید کرنے میں بھی ہے)۔ نیز قید کرنا اپنے عمل کے میدان میں خالص ہونا چاہتا ہے نہ کہ نکاح کے میدان میں۔ اجازت لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے والے کا ملک حکم کے اعتبار سے مختلف نہیں ہوتا کیونکہ اس کا واپس آنے کا ارادہ ہوتا ہے (اس لئے نکاح ختم نہیں ہوتا)۔

مسئلہ:۔ اگر عورت ہجرت کرکے مسلمانوں کے ملک میں آئے تو اس کے لئے شادی کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کے ذمہ عدت نہیں ہے صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ذمہ عدت ہے کیونکہ تفریق مسلمانوں کے ملک میں داخل ہونے کے بعد واقع ہوئی ہے اس لئے اس پر اسلام کا حکم لازم ہوگا۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عدت سابقہ نکاح کا اثر ہے جو کہ نکاح کے احترام کے اظہار کے لئے واجب ہوتی ہے اور کافر کی ملکیت کا کوئی احترام نہیں ہے۔ اسی وجہ سے قیدی عورت پر عدت واجب نہیں ہے۔

اگر وہ ہجرت کرنے والی عورت حاملہ ہو تو بچہ جننے تک شادی نہ کرے امام ابوحنیفہؒ سے دوسرا قول یہ منقول ہے کہ نکاح کرنا صحیح ہے لیکن بچہ جننے تک شوہر اس کے قریب نہ جائے جیسا کہ بدکاری کی وجہ سے حاملہ کے لئے حکم ہے۔ پہلے قول کی وجہ یہ ہے کہ اس حاملہ عورت کے بچّہ کا نسب (کافر

شوہر سے) ثابت ہے تو جب نسب کے حق میں اس عورت کا کافر کی بیوی ہونا ظاہر ہو گیا تب احتیاطاً نکاح سے منع کرنے کے حق میں بھی ظاہر ہو گیا۔

مسئلہ: مسلمان میاں بیوی میں سے اگر کوئی ایک مرتد ہو جائے تو طلاق کے بغیر جدائی واقع ہو جاتی ہے۔ یہ حکم امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے جبکہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر مرتد ہو تو یہ طلاق کے ساتھ جدائی ہوگی۔ امام محمدؒ اسے کافر شوہر کی جانب سے اسلام کے انکار کے حکم پر قیاس کرتے ہیں (جبکہ اس کی بیوی مسلمان ہو جائے) اور ان دونوں میں مشترکہ چیز وہی ہے جو ہم نے بیان کی (کہ جدائی کا سبب شوہر بن رہا ہے)۔ امام ابو یوسفؒ اس مسئلہ میں اسی اصل پر عمل کر رہے ہیں جو ہم نے اسلام کے انکار کے مسئلہ میں بیان کی ہے (یعنی امام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کی جانب سے انکار کی صورت میں تفریق طلاق نہیں ہے کیونکہ تفریق کے عمل میں دونوں شریک ہیں اسی طرح یہاں بھی ہے)۔ امام ابو حنیفہؒ نے ان دونوں مسئلوں میں فرق کیا ہے (کہ کافر شوہر اگر اسلام کا انکار کرے تو تفریق طلاق ہے اور اگر مسلمان مرتد ہو جائے تو تفریق طلاق نہیں ہے)۔ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے کیونکہ ارتداد انسانی جان کے تحفظ کے منافی ہے (بلکہ مرتد واجب القتل ہے) جبکہ طلاق کا مفہوم یہ ہے کہ وہ نکاح کو اٹھانے وختم کرنے والی ہوتی ہے (یعنی طلاق کے لئے نکاح ہونا ضروری ہے اور ارتداد نکاح کے منافی ہے) اس لئے اس تفریق کو طلاق بنانا مشکل و متعذر ہو گیا جبکہ کافر کی جانب سے اسلام

کے انکار کی حیثیت اس سے مختلف ہے کیونکہ انکار امساک بالمعروف کو فوت کرتا ہے تو اچھائی کے ساتھ چھوڑنا واجب ہوتا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ابھی گزری۔ اسی بناء پر انکار کی صورت میں تفریق قاضی کے فیصلہ پر موقوف ہوگی جبکہ مرتد ہونے کی صورت میں موقوف نہیں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر شوہر مرتد ہوگیا تو جماع کی صورت میں عورت کے لئے کل مہر ہے اور جماع نہ کرنے کی صورت میں نصف مہر ہے۔ اگر عورت مرتد ہوگئی تو جماع کی صورت میں اس کے لئے کل مہر ہے اور جماع نہ کرنے کی صورت میں اس کے لئے نہ کوئی مہر ہے اور نہ خرچہ۔ کیونکہ جدائی و تفریق اسی کی جانب سے ہوئی ہے۔

مسئلہ:۔ اگر میاں بیوی ایک ساتھ مرتد ہوجائیں پھر ایک ساتھ مسلمان ہوجائیں تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے۔ یہ حکم ازروئے استحسان ہے۔ جبکہ امام زفر فرماتے ہیں کہ نکاح باطل ہوجائے گا کیونکہ کسی ایک کا مرتد ہونا نکاح کے منافی ہے اور دونوں کے مرتد ہونے میں کسی ایک کا مرتد ہونا بھی ہے۔ ہماری دلیل یہ روایت ہے کہ قبیلہ بنو حنیفہ کے تمام لوگ مرتد ہوگئے پھر سب مسلمان ہوگئے اور کسی صحابی نے انہیں تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا۔ اور ان کا ارتداد ایک ساتھ واقع ہوا تھا کیونکہ (پوری تعیین کے ساتھ ہر ایک کے مرتد ہونے کی) تاریخ کا علم نہیں ہے۔

اگر دونوں کے مرتد ہونے کے بعد کوئی ایک مسلمان ہوگیا تو ان کا نکاح فاسد ہوجائے گا کیونکہ دوسرے نے مرتد ہونے پر اصرار کیا ہے اور یہ اصرار نکاح کے اسی طرح منافی ہے جس طرح ابتداء میں مرتد ہونا۔

بیویوں کے درمیان تقسیم کا بیان

مسئلہ:۔ اگر ایک شخص کی دو آزاد بیویاں ہوں تو اس پر لازم ہے کہ ان کے درمیان باری میں انصاف کرے خواہ وہ دونوں (نکاح سے پہلے) کنواری ہوں یا شوہر رسیدہ یا ان میں سے ایک کنواری ہو اور دوسری شوہر رسیدہ۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جس کی دو بیویاں ہوں اور باری میں وہ کسی ایک کی طرف مائل ہو جائے تو قیامت کے دن اس حالت میں آئے گا کہ اس کا حصہ جھکا ہوا ہو گا" (باری سے مراد ہے بیوی کے پاس رات گزارنا)۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے درمیان باری میں انصاف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "یا اللہ جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں میری یہ تقسیم ہے پس جس کا میں مالک نہیں ہوں اس میں مواخذہ نہ فرما" یعنی محبت کی زیادتی میں۔ جو حدیث ہم نے روایت کی اس میں (کنواری و شوہر رسیدہ کی) کوئی تفصیل نہیں ہے۔

پرانی اور نئی بیوی (اس حکم میں دونوں) برابر ہیں۔ اس لئے کہ جو حدیث ہم نے روایت کی ہے وہ مطلق ہے۔ نیز باری نکاح کے حقوق میں سے ہے اور حقوق میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے (یعنی پرانی و نئی سب کے لئے حقوق برابر ہیں)۔ باری کے دورانیہ کی مقدار (یعنی ہر ایک

کے پاس ایک ایک یا دو دو یا تین تین دن وغیرہ) مقرر کرنے میں شوہر کو اختیار ہے کیونکہ عورتوں کا حق انصاف و برابری ہے نہ کہ اس کو مقرر کرنے کا خاص طریقہ۔ برابری رات گزارنے میں معتبر ہے نہ کہ جماع کرنے میں، کیونکہ جماع کا مدار نشاط و سرور پر ہے (یعنی ہر ایک پاس برابری کے ساتھ رات گزارے خواہ کسی ایک کے پاس جماع نہ کرے اور دوسری کے پاس کرے)۔

مسئلہ:۔ اگر بیویوں میں سے ایک آزاد ہو اور دوسری باندی ہو تو آزاد کے لئے باری میں سے دو تہائی اور باندی (بیوی) کے لئے ایک تہائی (مثلاً آزاد کے پاس دو رات اور باندی کے پاس ایک رات)۔ اسی طرح تابعین سے اثر مروی ہے۔ نیز باندی سے نکاح حلال ہونا آزاد سے نکاح حلال ہونے میں کم درجہ پر ہے (مثلاً آزاد بیوی ہوتے ہوتے باندی سے شادی نہیں کر سکتا اور اس کے برعکس جائز ہے)۔ اس لئے حقوق میں بھی نقصان کا اظہار ضروری ہے۔ باندی کی دوسری اقسام مکاتب، مدبرہ اور ام ولد سب اس حکم میں مطلق باندی کی طرح ہیں کیونکہ غلامی ان میں موجود ہے۔

مسئلہ:۔ علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ بیویوں کا سفر کی حالت میں برابری کا معاملہ کرنے میں کوئی حق نہیں ہے۔ شوہر ان میں سے جس کے ساتھ چاہے سفر کر سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرے اور جس کا نام قرعہ میں نکل آئے اس کے ساتھ سفر کرے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرعہ اندازی کرنا ان کا حق ہے (یعنی ضرور قرعہ اندازی کرے) کیونکہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر

کا ارادہ فرماتے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ قرعہ ڈالنا ان کا دل خوش کرنے کے لئے تھا اس لئے یہ مستحب کے درجہ میں ہوگا۔ یہ اس لئے کہ شوہر کے سفر کے وقت عورت کا کوئی حق نہیں ہے کیا اس پر غور نہیں کیا کہ اسے یہ اختیار ہے کہ کسی کو ساتھ نہ لے جائے تو اسی طرح اسے یہ بھی اختیار ہوگا کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ سفر کرے۔ (اگر کسی کو ساتھ لیا ہے تو) یہ مدت باری میں شمار نہیں ہوگی۔

اگر کوئی ایک بیوی اپنی دوسری ساتھی (سوکن) کے لئے اپنی باری چھوڑنے پر راضی ہوگئی تو (شوہر کے لئے اسے قبول کرنا) جائز ہے۔ کیونکہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضؓ نے طلاق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ رجوع کرلیں اور وہ اپنی باری حضرت عائشہ رضؓ کے لئے مقرر کر دیں گی۔ بیوی کو (اپنی باری کا حق ساقط کرنے کے بعد) دوبارہ رجوع کرنے کا اختیار ہے کیونکہ اس نے ایسا حق ساقط کیا تھا جو اب تک واجب نہیں ہوا تھا اس لئے وہ ساقط نہیں ہوگا۔[1]

---

[1] عورت کو اپنی باری کا حق روز بروز ملتا ہے۔ مستقبل کے ایام کا حق مجموعی طور پر نہیں مل جاتا اس لئے اس کا حق مستقبل میں واجب نہیں ہوا اور جب واجب نہیں ہوا تو ساقط کرنا اور نہ کرنا برابر ہے۔ اور یہ اعارہ کے مشابہ ہے کہ کسی کو کوئی چیز نفع اٹھانے کے لئے دینے کے بعد جب چاہے واپس لے سکتے ہیں۔

رضاعت کا بیان

مسئلہ:۔ تھوڑا دودھ پلانا اور زیادہ دودھ پلانا اگر رضاعت کی مدت میں ہو تو دونوں اس حکم میں برابر ہیں کہ اس سے نکاح کی حرمت متعلق ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حرمت پانچ دفعہ چسکی لینے سے ثابت ہو گی (اس طرح کہ بچہ ہر دفعہ اچھی طرح پی کر منہ ہٹائے) کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ایک دفعہ چوسنا اور دو دفعہ چوسنا حرام نہیں کرتا اور نہ ہی ایک دفعہ چوسانا اور دو دفعہ چوسانا" ہماری دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا" اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "رضاعت سے وہ حرمت آتی ہے جو نسب سے آتی ہے" اس میں (قلیل وکثیر کی) کوئی تفصیل نہیں ہے۔ نیز نکاح کی حرمت اگرچہ اس شبہہ کی بناء پر ہے کہ (دودھ پینے والا دودھ پلانے والی کے جسم کا) بعض حصہ ہو جاتا ہے جو ہڈی بڑھنے اور گوشت پیدا ہونے سے ثابت ہوتا ہے (یعنی ماں کے دودھ کی وجہ سے بچہ کے جسم کی نشو نما ہوتی ہے اور یہ قلیل دودھ سے نہیں ہو سکتا) لیکن یہ ایک مخفی چیز ہے (اس پر اطلاع نہیں ہو سکتی کہ کتنے دودھ سے جسم بڑھتا ہے) اس لئے صرف دودھ پلانے کے فعل سے حکم متعلق ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ نے جو روایت کی ہے

وہ قرآن کے حکم کی وجہ سے غیر مقبول ہے یا قرآن سے منسوخ ہے۔ اور یہ رضاعت کی مدت میں ہونا چاہیئے بوجہ اس دلیل کے جو ہم بیان کریں گے۔

مسئلہ:۔ رضاعت کی مدت تیس[۳] مہینے (یعنی ڈھائی سال) ہیں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ دو سال (یعنی چوبیس مہینے) اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔ امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تین سال ہیں۔ کیونکہ ایک حالت سے دوسری حالت تک بدلنے کے لئے ایک سال اچھی علامت ہے اور دو سال پر اضافہ ضروری ہے جس کی دلیل ہم (امام صاحب کی دلیل کے تحت) بیان کریں گے اس لئے اس اضافہ کی مقدار سال ہی رکھی جائے گی۔ صاحبینؒ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ "اور اس (یعنی بچہ) کا حمل اور دودھ چھڑانے کی مدت تیس ماہ ہے"۔ اس میں سے حمل کی کم ازکم مدت چھ ماہ ہے تو دودھ چھڑانے کے لئے دو سال باقی بچے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دو سال بعد دودھ پلانا نہیں ہے"۔ امام صاحب کی دلیل اللہ تعالےٰ کا یہی فرمان ہے اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو چیزیں ذکر کیں اور ان دونوں کے لئے ایک مدت بیان کی تو یہ مدت ہر ایک کے لئے کامل طور پر ہوگی جیسے دو مختلف قرضوں کے لئے ایک مدت بیان کی جائے[۱] مگر چونکہ ان دونوں میں سے ایک (یعنی حمل) کے حق میں اسی مدت سے کم کرنے والا بیان موجود ہے (جو کہ حدیث ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں دو سال سے زیادہ

---

[۱] مثلاً کہا کہ خالد و حامد کے قرض کی ادائیگی کی مدت دو سال ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لئے دو سال کی مدت ہے۔

نہیں رہتا) اس لئے دوسری چیز اپنے ظاہر پر باقی رہے گی۔ نیز غذا میں تبدیلی ضروری ہے تاکہ دودھ کے ذریعہ نشو ونما ختم ہو جائے اور یہ تبدیلی ایسی مدت کے اضافہ کے ساتھ ہوگی جس میں بچہ دودھ کے علاوہ دوسری غذا کا عادی ہو جائے۔ اس لئے حمل کی ادنیٰ مدت (یعنی چھ ماہ) کے مطابق اسے مقرر کیا جائے گا کیونکہ یہ مدت (بچہ میں) تبدیلی لانے والی ہے، حمل کی غذا دودھ پیتے بچے کی غذا سے بدلی ہوئی ہوتی ہے جیسے دودھ پیتے بچے کی غذا دودھ چھوڑے ہوئے بچے سے بدلی ہوئی ہوتی ہے[1]۔ جو حدیث صاحبینؒ نے بیان کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مدت تک بچہ کا حق ہے (یعنی اس مدت میں دودھ پلانے پر اجرت مل سکتی ہے اس سے زیادہ مدت پر اجرت نہیں ملے گی) قرآن کی جس آیت میں دو سال کی قید ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے۔

مسئلہ:۔ مدت رضاعت گزر جانے کے بعد دودھ پلانے سے نکاح کی حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "دودھ چھڑانے (کی مدت) کے بعد (دودھ پلانے سے نکاح کی) حرمت نہیں ہے"۔ نیز حرمت کی وجہ (دودھ کے ذریعہ) جسم بڑھنے کے اعتبار سے ہے اور یہ دودھ پینے کی مقررہ مدت میں ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ بڑا بچہ

---

[1] یعنی حمل کی غذا دودھ کے علاوہ کچھ اور چیز ہوتی ہے اور جب چھ ماہ کا ہو کر باہر آجاتا ہے تو اس کی غذا دودھ ہو جاتی ہے اور جب اس کا دودھ چھڑا دیا جاتا ہے تو اس کی غذا میں تبدیلی آجاتی ہے۔

صرف دودھ سے نشو نما نہیں پاتا۔ اگر مدت سے پہلے بچہ دودھ سے بے نیاز ہوگیا تو اس میں دودھ چھڑانے کا اعتبار نہیں ہے (یعنی اگر مدت ختم ہونے سے پہلے دودھ چھڑا دیا پھر اسی مدت میں کسی نے دودھ پلایا تو حرمت متعلق ہو جاتی ہے گی) مگر امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے کہ اس کا اعتبار ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غذا بدلنے سے دودھ کے ذریعہ نشو نما ختم ہوگئی (اس لئے اب نشو نما میں دودھ کا اثر نہیں ہوگا)۔ کیا مدت مقررہ کے بعد دودھ پلانا مباح ہے؟ بعض نے کہا کہ مباح نہیں ہے کیونکہ دودھ انسان کا جزء ہے اس لئے (اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے لیکن) ضرورت کی وجہ سے یہ (مقررہ مدت میں) مباح ہے۔

مسئلہ: علامہ قدوریؒ نے فرمایا کہ رضاعت سے وہ حرمت متعلق ہوتی ہے جو نسب سے متعلق ہوتی ہے (یعنی جن نسبی رشتہ داروں سے نکاح ناجائز و حرام ہے اسی طرح ان رضاعی رشتہ داروں سے بھی نکاح ناجائز ہے) اس لئے کہ وہ حدیث ہے جو ہم نے ابتداء میں روایت کی مگر رضاعی بہن کی ماں[1]، اس سے شادی کرنا جائز ہے جبکہ نسبی بہن کی (نسبی) ماں

---

[1] اس کی تین صورتیں ہیں (۱) رضاعی بہن کی نسبی ماں۔ مثلاً خالد و صفیہ نے حمیدہ کا دودھ پیا اور صفیہ کی ماں ثمینہ ہے تو خالد ثمینہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ (۲) نسبی بہن کی رضاعی ماں۔ مثلاً خالد و صفیہ دونوں کی ماں عطیہ ہے اور صفیہ نے فریدہ کا بھی دودھ پیا خالد نے نہیں پیا تو خالد فریدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ (۳) رضاعی بہن کی رضاعی ماں۔ مثلاً خالد و صفیہ دونوں رضاعی بہن بھائی ہیں اور صفیہ نے دوسری عورت ہندہ کا بھی دودھ پیا خالد نے نہیں پیا تو خالد ہندہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

سے شادی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ بہن کی ماں یا تو اس کی بھی ماں ہوگی (اگر دونوں سگے بہن بھائی ہیں) اور یا اس کے والد کی بیوی ہوگی (یعنی سوتیلی ماں ہوگی اگر دونوں باپ شریک بہن بھائی ہیں۔ اور سوتیلی ماں سے نکاح جائز نہیں ہے) رضاعت کی حیثیت اس سے مختلف ہے۔

مسئلہ:۔ رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز ہے[۱] لیکن نسبی بیٹے کی بہن سے

---

[۱] اس کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) رضاعی بیٹے کی نسبی بہن۔ خالد حامد کا رضاعی بیٹا ہے یعنی خالد نے حامد کی بیوی کا دودھ پیا ہے اور خالد کی نسبی بہن صفیہ ہے تو حامد صفیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ (۲) نسبی بیٹے کی رضاعی بہن۔ خالد حامد کا نسبی بیٹا ہے اور خالد و صفیہ نے فریدہ کا دودھ پیا ہے تو حامد صفیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ (۳) رضاعی بیٹے کی رضاعی بہن مثلاً خالد حامد کا رضاعی بیٹا ہے اور خالد و صفیہ نے حمیدہ کا دودھ پیا ہے تو تو حامد صفیہ سے نکاح کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ نسب سے استثناء کی مزید صورتیں ہیں جو اس شعر میں جمع ہیں۔

یفارق النسب الرضاع فی صور ؛ کام نافلۃ وجدۃ الولد

وام اخت واخت ابن وام اخ ؛ وام خال وعمۃ ابن اعتمد

یعنی رضاعت نسب سے چند صورتوں میں جدا ہوتی ہے جیسے پوتے[۱] یا پوتی کی ماں اور لڑکے[۲] کی دادی یا نانی اور بہن[۳] کی ماں اور بیٹے[۴] کی بہن اور بھائی[۵] کی ماں اور ماموں[۶] کی ماں اور بیٹے کی پھوپھی[۷] پر اعتماد کر۔ یہ سات صورتیں ہیں ان میں سے ہر ایک میں کسی ایک جانب یا دونوں جانب رضاعی لگانے سے تین تین صورتیں حاصل ہوں گی اور کل اکیس صورتیں ہو جائیں گی۔ مثلاً رضاعی پوتے کی نسبی ماں یا نسبی پوتے کی رضاعی ماں یا رضاعی پوتے کی رضاعی ماں۔ دونوں جانب نسبی لگانے کی صورت حرام ہے مثلاً نسبی پوتے کی نسبی ماں۔ اس کے علاوہ یہ معلوم کرنا کہ دودھ پینے والے پر کون حرام ہے یہ اس شعر میں جمع ہیں۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند ؛ وز جانب شیر خوارہ زوجان و فروع

یعنی دودھ پلانے والی کی جانب سے اس کے تمام نسبی رشتہ دار دودھ پینے والے پر حرام ہیں اور دودھ پینے والے کی جانب سے اگر لڑکا ہے تو اس کی بیوی اور اگر لڑکی ہے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

نکاح جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب کسی نے اپنے نسبی بیٹے کی بہن کی ماں سے (نکاح کر کے) جماع کر لیا تو وہ (بہن) اس پر حرام ہو گئی (کیونکہ وہ بیوی کی بیٹی ہے اور اس مرد کی اصلی یا سوتیلی بیٹی [1] ہے) لیکن رضاعت میں یہ معنی و وجہ نہیں ہے۔

مسئلہ: رضاعی باپ کی بیوی [2] (جس نے دودھ نہیں پلایا) اور رضاعی بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نسب کے اعتبار سے یہ جائز نہیں ہے۔ روایت شدہ حدیث اس کی دلیل ہے۔ (اعتراض ہوا کہ قرآن میں سگے صلبی بیٹے کی بیوی کے لئے حکم ہے رضاعی کا ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب دیا کہ) قرآن میں صلبی کا ذکر لے پالک بیٹے کو ساقط کرنے کے لئے ہے (یعنی لے پالک بیٹے کی بیوی کا یہ حکم نہیں ہے اس سے نکاح جائز ہے) جیسا کہ ہم نے محرّمات کے ذکر میں اسے بیان کیا ہے۔

مسئلہ: نوجوان کے دودھ سے بھی حرمت متعلق ہو جاتی ہے اس کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۰ کا)

تو اس کا شوہر اور اس دودھ پینے والے کے فروع دودھ پلانے والی پر حرام ہیں (دودھ پلانے والی کے حکم میں اس کا شوہر بھی داخل ہے)۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

[1] اصلی بیٹی ہونا تو ظاہر ہے اور سوتیلی بیٹی کی یہ صورت ہے کہ حمیدہ کی لڑکی فاطمہ ہے۔ زید نے حمیدہ سے شادی کی اور خالد لڑکا پیدا ہوا۔ خالد و فاطمہ دونوں ماں شریک بہن بھائی ہو گئے اور فاطمہ زید کی سوتیلی بیٹی ہے اس سے زید نکاح نہیں کر سکتا۔

[2] خالد کی دو بیویاں صفیہ و حمیدہ ہیں۔ عزیز نے صفیہ کا دودھ پیا تو وہ حمیدہ سے بھی نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اس کی سوتیلی رضاعی ماں ہے اور صفیہ سے نکاح حرام ہونا ظاہر ہے۔

صورت یہ ہے کہ ایک عورت کسی بچی کو دودھ پلائے تو یہ بچی اس عورت کے شوہر پر حرام ہوگی اور اس کے اجداد اور بیٹوں پر بھی۔ اور یہ شوہر جس کی وجہ سے عورت کا دودھ آیا دودھ پینے والی بچی کا باپ ہو جائے گا۔ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ نوجوان کے دودھ (لبن الفحل) سے حرمت متعلق نہیں ہوتی کیونکہ یہ حرمت بعضیت کے شبہ کی وجہ سے ہے اور دودھ عورت کا حصہ ہے نہ کہ مرد کا۔ ہماری دلیل وہی روایت کی ہوئی حدیث ہے (کہ جو حرمت نسب سے ہے وہی حرمت رضاعت سے ہے) اور نسب میں دونوں جانب (یعنی مرد و عورت) سے حرمت ہے تو اسی طرح رضاعت کی وجہ سے بھی ہوگی۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہؓ سے فرمان ہے کہ افلحؓ (نامی شخص) تمہارے پاس آسکتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے رضاعی چچا ہیں (رضاعی چچا اسی وقت ہو سکتا ہے جب رضاعی باپ کا اعتبار کیا جائے) مزید برآں شوہر عورت کے دودھ اترنے کا سبب ہے اس لئے حرمت کے مقام میں بطور احتیاط اس کی طرف کی نسبت کی جائے گی۔

مسئلہ:۔

رضاعی بھائیؔ کی بہن سے نکاح کرنا جائز ہے[1]۔ کیونکہ نسبی بھائی کی

---

[1] اس کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) رضاعی بھائیؔ کی نسبی بہن مثلاً خالد نے عزیز کی والدہ کا دودھ پیا اور خالد کی سگی بہن فاطمہ ہے تو عزیز فاطمہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ (۲) نسبی بھائیؔ کی رضاعی بہن مثلاً خالد و عزیز دونوں سگے بھائی ہیں اور خالد نے صفیہ کی والدہ کا دودھ پیا تو عزیز صفیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ (۳) رضاعی بھائیؔ کی رضاعی بہن مثلاً خالد و عزیز دونوں نے حمیدہ کا دودھ پیا اور عزیز نے صفیہ کی والدہ کا بھی دودھ پیا تو

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

بہن سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کے باپ شریک بھائی کی ماں شریک[1] بہن ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ: جو بھی دو بچے ایک عورت کے پستان پر جمع ہو جائیں (یعنی اس کا دودھ پی لیں خواہ دونوں کا زمانہ الگ ہو) تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے شادی نہیں کر سکتا۔ یہی اصول ہے کیونکہ دونوں کی (رضاعی) ماں ایک ہے اور وہ دونوں بہن بھائی ہیں۔

مسئلہ: دودھ پینے والی لڑکی اس عورت کے کسی بچے سے شادی نہ کرے جس نے اسے دودھ پلایا ہے۔ کیونکہ وہ بچہ اس لڑکی کا بھائی ہے۔ اور اس عورت کے لڑکے کے لڑکے سے بھی شادی نہ کرے۔ کیونکہ وہ اس کے بھائی کا بیٹا (یعنی بھتیجا) ہے۔

مسئلہ: دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت کے شوہر کی بہن سے شادی نہ کرے۔ کیونکہ وہ اس کی رضاعی پھوپھی ہے۔

(بقیہ حاشیہ ۱۶۲ کا)
خالد صفیہ سے نکاح کر سکتا ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ نسبی بھائی کی نسبی بہن۔ یہ بعض صورتوں میں ہو سکتا ہے جیسے کتاب میں کیا ہے۔ (حاشیہ صفحہ ہذا)

---

[1] اس کی وضاحت یہ ہے کہ حمیدہ کی لڑکی فریدہ ہے۔ حمیدہ سے زید نے نکاح کیا اس سے لڑکا خالد پیدا ہوا۔ تو خالد و فریدہ ماں شریک بہن بھائی ہو گئے۔ پھر حمیدہ کا انتقال ہو گیا اور زید نے کریمہ سے نکاح کیا جس سے لڑکا عزیز پیدا ہوا۔ یہاں خالد و عزیز دونوں باپ شریک بھائی ہو گئے۔ اب عزیز اپنے باپ شریک بھائی یعنی خالد کی ماں شریک بہن یعنی فریدہ سے نکاح کر سکتا ہے۔

مسئلہ:- جب پانی اور دودھ مل جائے اور دودھ غالب ہو تو اس کے پینے سے حرمت متعلق ہو جائے گی اور اگر پانی غالب ہو تو حرمت متعلق نہیں ہو گی۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ غالب پانی (والے آمیزہ) میں دودھ حقیقتاً موجود ہے (اس لئے اس سے بھی حرمت آئے گی)۔ ہم کہتے ہیں کہ مغلوب چیز حکماً موجود نہیں ہوتی یہاں تک کہ غالب کے مقابلہ میں ظاہر نہیں ہوتی جیسا کہ یمین میں حکم ہے (یعنی اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ دودھ نہیں پیئے گا اور اس نے زیادہ پانی میں تھوڑا دودھ ڈال کر پی لیا تو وہ حانث نہیں ہو گا کیونکہ دودھ مغلوب ہے۔ اسی طرح یہاں بھی حکم ہو گا)۔

اگر دودھ طعام میں مل جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس (طعام کے کھانے) سے حرمت متعلق نہیں ہو گی اگرچہ دودھ غالب ہو جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ اگر دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت متعلق ہو گی۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کا قول اس طعام سے متعلق ہے جسے آگ میں نہ پکایا ہو اگر طعام میں دودھ ملا کر اسے آگ پر پکا یا گیا تو سب کے نزدیک اس سے حرمت متعلق نہیں ہو گی۔ صاحبینؒ کی دلیل (غیر پکے ہوئے طعام میں) یہ ہے کہ اعتبار غالب کا ہے جیسا کہ پانی میں حکم ہے جب تک کہ کوئی چیز (آگ وغیرہ) اس کی حالت تبدیل نہ کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مقصد (یعنی غذا حاصل کرنے) میں طعام اصل ہے اور دودھ اس کے تابع ہے، اس لئے (طعام کے ساتھ مل کر) مغلوب ہو جائے گا۔ (اگر

دودھ اتنا غالب ہے کہ) طعام میں سے دودھ کے قطرے ٹپکیں تب بھی امام صاحب کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں ہے۔ یہی صحیح روایت ہے۔ اس لئے کہ غذا طعام سے حاصل کی جاتی ہے کیونکہ وہ اصل ہے۔

مسئلہ:۔ اگر دودھ دوا میں مل گیا اور دودھ غالب ہے تو اس (دوا کے کھانے) سے حرمت متعلق ہو جائے گی۔ اس لئے کہ دوا میں دودھ مقصود ہے کیونکہ دودھ کے ذریعہ دوا جسم میں پہنچنے کے لئے قوت حاصل کرتی ہے۔

اگر عورت کا دودھ بکری کے دودھ میں مل جائے اور عورت کا دودھ غالب ہو تو اس سے حرمت متعلق ہو گی اور اگر بکری کا دودھ غالب ہو تو حرمت متعلق نہیں ہو گی۔ غالب کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ پانی میں ملنے کا حکم ہے۔ اگر دو عورتوں کا دودھ مل جائے تو جس کا دودھ غالب ہو گا اس سے حرمت متعلق ہو گی۔ یہ حکم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے کیونکہ تمام مخلوط دودھ ایک چیز ہو گیا تو اس چیز پر حکم ثابت کرنے میں قلیل کو کثیر کے تابع کیا جائے گا۔ امام محمدؒ و امام زفرؒ فرماتے ہیں دونوں عورتوں سے حرمت متعلق ہو جائے گی۔ اس لئے کہ کوئی جنس اپنی ذات پر غالب نہیں ہوتی کیونکہ (غلبہ کی صورت میں مغلوب چیز ختم ہو جاتی ہے جبکہ) کوئی چیز اپنی ہی جنس میں ختم نہیں ہوتی کیونکہ مقصد متحد ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ سے اس مسئلہ میں (یہی مذکورہ) دو روایتیں منقول ہیں۔ اصل میں یہ مسئلہ قسم کے باب میں ہے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی کنواری لڑکی کے (پستانوں میں) دودھ اتر آیا اور

اس نے کسی بچہ کو پلا دیا تو اس سے حرمت متعلق ہو جائے گی[1]۔ کیونکہ نصِ قرآن مطلق ہے (اس میں شادی شدہ کی تفصیل نہیں ہے)۔ نیز دودھ نشو و نما کا سبب ہے اس لئے اس سے بعضیت کا شبہہ ثابت ہو جائے گا۔

مسئلہ:۔ اگر عورت کی موت کے بعد اس کا دودھ نکالا گیا اور بچہ کے منہ میں ڈال دیا گیا تو اس سے حرمت متعلق ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حرمت کے ثبوت میں اصل عورت ہے پھر اس کے واسطہ سے حرمت دوسرے تک متعدّی ہوتی ہے (یعنی پہلے عورت حرام ہوتی ہے پھر اس کے اصول و فروع وغیرہ) اور وفات کی وجہ سے عورت حرمت کا محل نہیں رہی (یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس عورت سے نکاح حرام ہے) اسی بناء پر اگر کسی نے مُردہ عورت سے جماع کر لیا تو اس سے دامادی والی حرمت ثابت نہیں ہوتی (کہ اس کے اصول و فروع اس جماع کرنے والے پر حرام ہو جائیں)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ اصل میں اس حرمت کا سبب جز ہونے کا شبہ ہے۔ اور یہ شبہ دودھ میں اس معنٰی میں ہے کہ دودھ جسم بڑھنے اور گوشت پیدا کرنے کا سبب ہے اور یہ معنٰی دودھ کے ساتھ قائم ہیں (عورت سے اس کا تعلّق نہیں ہے۔ حرمت متعدّی نہ ہونے کا جو اشکال تھا اس کا جواب یہ ہے کہ) یہ حرمت اس مُردہ عورت کے حق میں دفن کرنے اور تیمم کرانے کی صورت میں ظاہر ہوگی[2]۔ (دامادی والی حرمت

---

[1] اسی سے زنا کی وجہ سے دودھ آنے کا حکم معلوم ہو گیا کہ اگر یہ دودھ کسی بچہ کو پلا دیا تو یہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں اور زانی اس کا رضاعی باپ بن جائے گا وغیرہ وغیرہ

[2] مثلاً جس بچی کے منہ میں دودھ ڈالا ہے اس کا شوہر ہو یا اس کی اس وقت شادی کر دی

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

کا جواب یہ ہے کہ) جماع کی وجہ سے جزئیت (یعنی دامادی کی حرمت) اس لئے ثابت ہوتی ہے کہ جماع کھیتی کے قابل جگہ میں ہوتا ہے (یعنی زندہ عورت سے جماع کیا جائے تو اس سے اولاد پیدا ہوتی ہے جو کہ جماع کرنے والے کا جُز بنتی ہے) جبکہ یہاں موت کی وجہ سے یہ صلاحیت ختم ہو گئی (یعنی اولاد نہیں ہو سکتی اس لئے دامادی والی حرمت ثابت نہیں ہوتی) اور رضاعت و دامادی کی حرمت میں فرق ہو گیا۔

مسئلہ:۔ اگر بچہ کو دودھ کا حُقنہ دیا گیا (یعنی پاخانہ کے مقام سے دودھ ڈالا گیا) تو اس سے حرمت متعلق نہیں ہوگی۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ اس سے حرمت ثابت ہوگی جیسے حقنہ کے ذریعہ (دودھ یا دوا وغیرہ ڈالنے سے) روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ ظاہر الروایت کے مسئلہ کے مطابق رضاعت و روزہ میں فرق یہ ہے کہ روزہ میں یہ اصول ہے کہ بدن کی اصلاح کے لئے کوئی چیز بدن میں ڈالی جائے تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور حقنہ کے ذریعہ دوا ڈالنے میں یہ وجہ پائی جاتی ہے (اس لئے حقنہ سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے) جبکہ رضاعت میں حرام کرنے کی وجہ نشو ونما ہے اور یہ وجہ حقنہ کی صورت میں نہیں پائی جاتی کیونکہ غذا دینے والی چیز وہ ہے جو اوپر سے جسم میں پہنچے۔

مسئلہ:۔ اگر کسی مرد کے پستانوں میں دودھ آگیا اور اس نے کسی بچہ

(بقیہ حاشیہ ۱۶۶ کا) جائے تو یہ شوہر اس مردہ عورت کو دفن کر سکتا ہے اور تیمم کرا سکتا ہے کیونکہ وہ عورت اس شوہر کی رضاعی ساس بن گئی۔

کو پلا دیا تو اس سے حرمت متعلّق نہیں ہو گی۔ کیونکہ حقیقت میں وہ دودھ نہیں ہے اس لئے اس سے نشوونما متعلّق نہیں ہو گی۔ یہ اس لئے کہ دودھ کا تصوّر اسی سے ہو سکتا ہے جس سے ولادت (یعنی جننے کا عمل) متصور ہو۔

مسئلہ:۔ اگر دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پیا تو اس کے ذریعہ (ان دونوں میں) حرمت متعلّق نہیں ہو گی (یعنی یہ دونوں رضاعی بھائی یا بہن نہیں ہوں گے)۔ کیونکہ انسان اور جانوروں کے درمیان کوئی جزئیت نہیں ہے اور حرمت تو اسی جزئیت کے اعتبار سے ہے (جب بکری کا جزء نہیں بنے تو آپس میں بھی بھائی بہن نہیں بنے)۔

مسئلہ:۔ اگر کسی آدمی نے چھوٹی بچّی اور بڑی لڑکی سے نکاح کیا اور بڑی لڑکی نے چھوٹی بچّی کو دودھ پلا دیا تو دونوں (چھوٹی و بڑی) شوہر پر حرام ہو جائیں گی۔ کیونکہ اس صورت میں شوہر کے نکاح میں رضاعی ماں و بیٹی جمع ہو گئیں اور یہ حرام ہے جیسے نسبی ماں و بیٹی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اگر بڑی لڑکی سے اس نے جماع نہیں کیا تھا تو اس کے لئے مہر نہیں ہو گا۔ کیونکہ تفریق جماع سے پہلے عورت کی جانب سے ہوئی ہے۔ چھوٹی بچی کے لئے نصف مہر ہو گا۔ کیونکہ تفریق اس کی طرف سے واقع نہیں ہوئی۔ دودھ پینا اگرچہ اس کا فعل ہے (اور اسی بناء پر تفریق ہوئی ہے) لیکن اس کا فعل اس کا حق ساقط کرنے میں معتبر نہیں ہے (کیونکہ نابالغ ہے) جیسے نابالغ بچّی اپنے مورث کو قتل کر دے (تو میراث سے محروم نہیں ہوتی)۔

شوہر بڑی لڑکی سے (نصف مہر کا) مطالبہ کرے گا اگر اس نے

(دودھ پلانے سے) نکاح فاسد کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اگر اس نے قصداً ایسا نہیں کیا تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی اگرچہ اسے علم ہو کہ چھوٹی بچی اس کے شوہر کی بیوی ہے۔ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ دونوں صورتوں میں اس سے مطالبہ کرے گا لیکن صحیح ظاہر الروایت ہے کیونکہ اگرچہ اس نے (دودھ پلاکر) ایسی چیز کو یقینی کر دیا جو کہ ساقط ہو سکتی تھی[1] اور وہ نصف مہر ہے اور یہ یقینی بنانا نقصان کرنے کی طرح ہے (اس لئے ضمان آنی چاہیئے) لیکن اس میں وہ سبب بنی ہے (خود اس نے نکاح فاسد نہیں کیا) کیونکہ دودھ پلانا اپنی وضع کے اعتبار سے نکاح فاسد کرنا نہیں ہے بلکہ دودھ پلانے سے نکاح کا فساد اتفاقاً کسی صورت میں ہو جاتا ہے۔ یا (بڑی لڑکی پر ضمان نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ) نکاح فاسد ہونا مہر لازم کرنے کا سبب نہیں ہے بلکہ وہ تو مہر ساقط کرنے کا سبب ہے مگر نصف مہر متعہ (واحسان) کے طور پر واجب ہوتا ہے جیسا کہ سابقہ ابحاث میں اس کا علم ہوا لیکن اسے واجب کرنے کی شرط یہ ہے کہ نکاح باطل ہو اور جبکہ بڑی لڑکی یہاں سبب بن رہی ہے تو یہاں ضمان واجب کرنے میں شرط یہ ہے کہ سبب بننا زبردستی و نقصان پہنچانے کے طور پر ہو جیسے کنواں کھودنے میں یہ تفصیل[2] ہے۔ بڑی لڑکی کی طرف سے زبردستی اس وقت مانی جائے گی جبکہ اسے چھوٹی بچی کے نکاح کا علم ہو اور وہ دودھ پلاکر نکاح فاسد کرنے کا ارادہ کرے۔ لیکن اگر

---

[1] یعنی اگر یہ بچی شہوت کی عمر تک پہنچنے کے بعد شوہر کے بیٹے کو شہوت سے چوم لیتی تو نکاح ختم ہو جاتا اور اسے نصف مہر بھی نہیں ملتا۔ [2] کوئی شخص اگر کنویں میں گر کر (بقیہ حاشیہ، ایم)

اسے نکاح کا علم نہیں ہے یا علم ہے لیکن اس نے چھوٹی بچّی کی بھوک دور کرنے اور اسے ضائع ہونے سے بچانے کے ارادہ سے دودھ پلایا یا نکاح فاسد کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو وہ اپنے اس فعل میں زبردستی کرنے والی شمار نہیں ہوگی کیونکہ ایسی حالت میں اسے یہی حکم ہے (یعنی بچے کو مرنے سے بچانے کے لئے دودھ پلانا) ۔ اگر اسے نکاح کا علم ہے لیکن یہ نہیں معلوم کہ دودھ پلانے سے نکاح فاسد ہوجائے گا تب بھی وہ زبردستی کرنے والی نہیں ہوگی۔ یہاں ہم نے مسلمان عورت کے لئے اسلامی احکام سے لاعلمی کا اعتبار فسادِ (نکاح) کے قصد کو دفع کرنے کے لئے کیا ہے نہ کہ (ضمان کے) حکم کو دفع و دور کرنے کے لئے[1]۔

مسئلہ:۔ (عورت و مرد کا نکاح ہونے کے بعد کوئی یہ کہے کہ ان دونوں کے درمیان رضاعت کا رشتہ ہے تو اس وقت یہ حکم ہے کہ) دودھ پلانے کے ثبوت میں صرف عورتوں کی گواہی مقبول نہیں ہے بلکہ یہ دو آدمیوں یا

(بقیہ حاشیہ ۱۶۹ کا) مر گیا تو خود اس کا بوجھ اس کرنے کی علّت ہے لیکن ضمان اس پر واجب نہیں کر سکتے کیونکہ بوجھ طبعی ہے تب اس کی شرط و سبب پر واجب کریں گے جو کہ کنواں کھودنے والا ہے۔ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس نے عام شاہراہ میں اسی ارادہ سے کنواں کھودا ہے تو ضمان آئے گی اور اگر ایک طرف کسی صحیح غرض کے لئے کنواں کھودا ہے تو ضمان نہیں آئے گی۔۔ (حاشیہ صفحہ ہذا) :۔

[1] یعنی مسلمان عورت کے لئے اسلامی احکام سے لاعلمی عذر نہیں ہے جیسا کہ بلوغت کے بعد نکاح کے اختیار میں یہ مسئلہ گزرا ہے لیکن یہاں اس کے عذر کو صرف اس لئے قبول کیا ہے کہ اس سے فسادِ نکاح کا ارادہ دور ہوجائے اور اس کی نیت صحیح تسلیم کرلی جائے اگرچہ اس کے ضمن میں ضمان واجب ہونے کا حکم بھی دور ہو رہا ہے لیکن اسے لاعلمی کے عذر کی بناء پر قصداً دور نہیں کیا۔ اور یہ صحیح و ممکن ہے کہ کوئی چیز ضمناً ثابت ہوجائے اگرچہ اسے قصداً ثابت کرنا صحیح نہ ہو۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے ثابت ہوگا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یا ایک عورت کی گواہی سے بھی ثابت ہو جائے گا اگر وہ عادلہ ہے۔ اس لئے کہ کسی چیز کا حرام ہونا شرعی حق ہے تو خبر واحد سے بھی ثابت ہو جائے گا جیسے کسی نے گوشت خریدا اور ایک آدمی نے اسے خبر دی کہ یہ آتش پرست کا ذبیحہ ہے (تو مسلمان کے لئے اسے کھانا مناسب نہیں ہے۔ یہاں خبر واحد سے حرمت ثابت ہوگئی)۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ باب نکاح میں حرمت کے ثبوت اور ملکیت کے زائل ہونے میں کوئی فاصلہ و جدائی نہیں ہے (یعنی جیسے ہی حرمت ثابت ہوگی، نکاح کی ملکیت زائل ہو جائے گی) اور ملکیت صرف دو مرد یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی سے باطل ہوتی ہے لیکن گوشت کے مسئلہ کی حیثیت مختلف ہے کیونکہ وہاں کھانا حرام ہونے اور ملکیت زائل ہونے میں جدائی ہے (یعنی وہ گوشت اس کی ملکیت میں رہے گا اگرچہ اس کا کھانا حرام ہے) اس لئے اسے دینی و شرعی امر معتبر کیا (اور خبر واحد مقبول ہوگئی)۔ واللہ اعلم

قدیمی کتب خانہ
مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱
Phone : 21 97 94

الفوز الکبیر

فی

اصول التفسیر

(اردو)

جس میں قرآن مجید کی تفسیر کے تمام بنیادی اصول پر مفصل اور بصیرت افروز بحث کی گئی ہے

تالیف

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

مترجم

مولوی رشید احمد صاحب انصاری

قدیمی کتب خانہ۔ مقابل آرام باغ۔ کراچی

تالیف : امام راغب اصفہانیؒ

ترجمہ : مولانا محمد اشرف قریشی

نظرثانی : معراج محمد بارق

پانچویں صدی ہجری کے مفسرِ قرآن اور ماہرِ لغت کے قلم سے بصیرت افروز تفسیری نکات اور بیش بہا علومِ قرآنی پر مشتمل جامع رسالہ کا مستند اردو ترجمہ۔

ناشر

قدیمی کتب خانہ۔ مقابل آرام باغ۔ کراچی ۱

اصول الشاشی

فی

اصول الفقہ

اصولِ فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی کا مستند اردو ترجمہ

تصنیف :- حضرت علامہ نظام الدّین شاشی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ :- جناب مولانا محمد مشتاق احمد انبیٹھوی مرحوم

ناشر :

قدیمی کتب خانہ

مقابل آرام باغ ۔ کراچی ۱